جلد ۵ جون ۱۹۶۴ء شمارہ ٦

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

سالانہ چندہ ٦ روپے فی پرچہ ٦٠ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر

(آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

انصار اللہ

جون سنہ ۱۹۶۴ء

ایڈیٹر

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ:- چھ روپے ۶ فی پرچہ:- ساٹھ پیسے

فہرست مضامین

طابع و ناشر:۔ چوہدری محمد ابراہیم ٭ مطبع:۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ ٭ مقامِ اشاعت:۔ دفتر ماہنامہ "انصار اللہ"
دار الصدر جنوبی ۔ ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۵ | ماہنامہ انصار اللہ ربوہ | شمارہ ۶

۱۵ جون ۱۹۶۴ء

نفسِ مطمئنّہ اور اُس کے حصول کا مؤثّر ذریعہ

مَوت کو یاد رکھنے اور اُسے قریب سمجھنے کی بنیادی اہمّیت

جیسا کہ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنی کتب و ملفوظات میں بار بار واضح فرمایا ہے قرآنِ مجید کی رُو سے نفسِ انسانی کی تین حالتیں ہیں۔ ایک نفسِ امّارہ، دوسرے نفسِ لوّامہ، اور تیسرے نفسِ مطمئنّہ۔ نفسِ امّارہ کی حالت میں انسان شیطان کے پنجہ میں گرفتار رہتا ہے اور ہمیشہ ہی اُس کی طرف جُھکتا اور خدا سے دُور ہوتا چلا جاتا ہے، نفس کی یہ سب سے زیادہ خراب اور ارذل حالت ہے۔ نفسِ لوّامہ کی حالت میں انسان اپنی خطا کاریوں پر نادم و شرمسار ہو کر خدا کی طرف جُھکتا اور اُس سے اپنا تعلق استوار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اِس حالت میں اُس کی شیطان کے ساتھ باہم ایک جنگ جاری رہتی ہے یعنی کبھی شیطان کی طرف جُھک جاتا ہے اور کبھی رحمٰن کی طرف۔ نفسِ مطمئنّہ کی حالت میں انسان عباد الرحمٰن کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ مقام اُسے شیطان پر پوری فتح پا لینے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ سو گویا نفسِ انسانی اپنی اِن تین حالتوں کے اعتبار سے ایک میزان کے طور پر واقع ہوا ہے۔ اُس کے ایک سرے پر نیچے کی طرف امّارہ کی حالت ہے اور دوسرے سرے پر ارتفاعی نقطہ کے طور پر مطمئنّہ کی حالت ہے۔ اس میزان کے بیچ میں لوّامہ ہے۔ جب انسان کا نفس، لوّامہ کی حالت میں ہوتا ہے وہ اگر انخفاضی نقطہ کی طرف جُھکتا ہے تو امّارہ کی طرف عَود کر کے حیوانات سے بھی بدتر اور ارذل ہو جاتا ہے۔ برخلاف اِس کے ارتفاعی نقطہ کی طرف جس قدر رجوع کرتا ہے اُسی قدر اللہ تعالیٰ کی طرف قریب ہوتا جاتا ہے اور سفلی اور ارضی حالتوں سے نکل کر علوی اور سماوی فیضان

سے حصہ پاتا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ امارہ کی حالت تو ہے ہی سب سے زیادہ بدتر اور ارذل حالت جس میں اصلاح کی امید ہی نہیں ہوتی تا وقتیکہ انسان حقیقی معنوں میں توبہ کر کے بڑی جدّ و جہد اور کوشش کے بعد اس حالت سے نکل کر لوّامہ کی حالت میں نہ آجائے۔ لوّامہ کی حالت میں جہاں اس امر کا امکان ہوتا ہے کہ انسان اپنی کسی لغزش کی وجہ سے پھر اسفل السافلین میں نہ جا شامل ہو وہاں اس امر کا بھی غالب امکان ہوتا ہے کہ وہ ترقی کر کے حالتِ مطمئنّہ کی طرف قدم بڑھائے۔ اصل حالت جس میں انسان وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کا مصداق قرار پا سکے مطمئنّہ کی حالت ہے کیونکہ اس کے بغیر انسان نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ جب تک یہ حالت انسان کو میسّر نہ آئے وہ ایک طرح سے خطرہ ہی کی حالت میں ہوتا ہے کیونکہ نہیں کہا جا سکتا کہ لوّامہ کی حالت میں کب انسان سے کوئی لغزش ایسی سرزد ہو جائے کہ وہ ارتفاعی نقطہ کی طرف قدم بڑھانے کی بجائے انخفاضی نقطہ یعنی حالتِ امارہ کی طرف ایسا پھسلے کہ پھر سنبھل ہی نہ سکے۔ پس لوّامہ کی حالت اگرچہ امارہ کی حالت سے بدرجہا بہتر ہوتی ہے لیکن بایں ہمہ انسان اس حالت میں بھی خطرہ سے دوچار رہتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد ایسے ذرائع بیان فرمائے ہیں جنہیں اختیار کر کے انسان لوّامہ کی حالت سے ترقی کر کے حتمی اور یقینی طور پر مطمئنّہ کی حالت میں پہنچ سکتا ہے اور اس طرح نجات یافتہ گروہ میں داخل ہو سکتا ہے۔ ان میں سے ایک ذریعہ پر ذیل میں ہم قرآن مجید، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات کی رُو سے روشنی ڈالتے ہیں۔

نفسِ لوّامہ سے ترقی کر کے نفسِ مطمئنّہ حاصل کرنے کا وہ خاص ذریعہ جس کی طرف توجہ دلانا فی الوقت ہمارے پیشِ نظر ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مومنوں کو بار بار اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ وہ ہمیشہ اس امر پر غور کرتے رہیں کہ یہ دنیوی زندگی، اس کی مرغوب و دل پسند آسائشیں، اس کے مال و منال، اس کے ساز و سامان اور اس کے سب عیش و آرام محض عارضی اور فانی ہیں۔ ہر انسان کو بہر حال موت آکر ایک دن ان سے منقطع کر دے گی اور اس طرح منقطع کر دے گی کہ پھر انسان کسی حال میں بھی ہرگز ہرگز اس دنیا میں واپس لوٹ کر نہیں آسکے گا۔ موت کے بعد انسان جس ابدی جہان میں منتقل ہوگا وہاں اُسے اپنے جملہ اعمالِ نیک و بد کا حساب دینا ہوگا اور اس کے مطابق جزا سزا بھگتنی ہوگی۔

دراصل امارہ کی حالت سے نکل کر لوّامہ کی طرف قدم نہ بڑھانے یا لوّامہ سے مطمئنّہ کی طرف ترقی کرنے کی بجائے پھر امّارہ کی طرف عود کر جانے کا ایک باعث یہ امر ہوتا ہے کہ انسان یہ بھول جاتا ہے کہ موت برحق ہے۔ وہ دوسروں کو مرتے دیکھتا ہے اور پھر بھی یہی سمجھتا ہے کہ موت دوسروں کے لئے ہے، وہ خود نہیں مرے گا۔ موت کو فراموش

کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان کی گرفت مضبوط ہوتی چلی جاتی ہے اور انسان بھول کر بھی خدا کو یاد نہیں کرتا اور دنیا اور اس کے عیش و طرب میں ہی منہمک رہتا ہے۔ اگر انسان کو ہر وقت موت یاد رہے اور جزا سزا کا فکر دامنگیر رہے تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ ہر دم اصلاح اور روحانی ترقی میں کوشاں نہ رہے اور اُسے بالآخر نفسِ مطمئنّہ حاصل نہ ہو جائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بار بار توجہ دلائی ہے کہ وہ موت کو ہر آن یاد رکھیں، اسے ہمیشہ قریب سمجھیں اور اس کے آنے سے پہلے پہلے نیک اعمال بجالا کر نفسِ مطمئنّہ حاصل کرنے کی کوشش کریں تا جب جلد یا بدیر کُوچ کا وقت آئے تو وہ ہنسی خوشی اور سرخرو ہو کر اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہوں نہ کہ مجرموں کی طرح نادم و شرمسار ہو کر۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ انسان کی پیدائش، اس کے مختلف مراحل اور زندگی کے گوناگوں انقلابات کا ذکر کرنے کے بعد مومنوں کو خبردار کرتے اور یاد دلاتے ہوئے فرماتا ہے :-

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ (یاد رکھو) پھر تم اس کے بعد مرنے والے ہو۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝ (اور) پھر تم قیامت کے دن اُٹھائے جانیوالے ہو۔

(المومنون آیت ۱۶-۱۷)

ایک اَور جگہ یاد کراتا ہے کہ تم ہی نہیں بلکہ ہر جاندار موت کا مزہ چکھے گا۔ اسی طرح تم بھی مروگے اور ہمارے حضور میں واپس لوٹائے جاؤ گے۔ چنانچہ فرماتا ہے :-

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝ (العنکبوت آیت ۵۸) ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ پھر ہماری طرف ہی تم سب کو لوٹایا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ایک اَور جگہ اسی مضمون کو کسی قدر تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور واضح کیا ہے کہ دُنیا کی زندگی فریب دینے والی عارضی متاع ہے۔ کامیاب وہ ہیں جو اس کے فریب میں پھنسنے کی بجائے نیک اعمال بجالا کر اگلے جہان کی لازوال نعمتیں حاصل کرنے کی ابھی سے فکر کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے :-

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝

(آل عمران آیت ۱۸۶)

ہر ایک جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور تمہیں صرف قیامت کے دن ہی تمہارے (اعمال کے) پورے بدلے دیئے جائیں گے۔ پس جسے آگ سے دُور رکھا جائے اور جنّت میں داخل کیا جائے وہ کامیاب ہو گیا اور ورلی زندگی (کی متاع) صرف فریب دینے والی عارضی متاع ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں کہیں اختصار کے ساتھ اور کہیں تفصیل سے بار بار مومنوں کو یاد دلایا ہے کہ

وہ دُنیا اور اُس کی لذّات کو مقصود بالذات نہ بنائیں بلکہ ہمیشہ موت کو یاد کر کے نیک اعمال بجا لانے کی فکر کریں۔ چنانچہ ایک جگہ موت کو یاد رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے یاد دلاتا ہے کہ اگر سرتاپا دنیا ہی میں منہمک رہو گے تو یاد رکھو کہ جب موت تمہیں اچانک آ لے گی تو اُس وقت تمہیں حسرت ہوگی کہ ہم نے غفلت میں عمر کیوں گزاری اور کیوں نہ نیک اعمال بجا لا کر لازوال اُخروی انعامات کا اپنے آپ کو اہل بنایا۔ اس وقت خواہش کرو گے کہ اے کاش تھوڑی سی مہلت مل جائے تو تلافیٔ مافات کر کے اپنے آپ کو خدا کے غضب سے بچا لیں لیکن یاد رکھو جب موت کا مقدّر وقت آجاتا ہے تو پھر اُس میں التواء یا تعویق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ موت آتی ہے، اپنے وقت پر آتی ہے اور پھر اُس میں ایک پل کی بھی تاخیر نہیں ہوتی۔ سو فرماتا ہے :۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۚ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

(المنٰفقون آیات ۱۰ تا ۱۲)

اے مومنو! تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولادیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں اور جو لوگ ایسا کریں گے وہی گھاٹا پانے والے ہوں گے۔ اور (اے مومنو!) جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے (مال، اولاد، علم، عقل وغیرہ) اُس میں سے قبل اس کے کہ موت تمہیں آ لے (خدا کی راہ میں) خرچ کرو تا ایسا نہ ہو کہ (جب موت آئے تو خرچ نہ کرنیوالے کو) کہنا پڑے کہ اے میرے رب تُو نے مجھے کیوں تھوڑی سی مہلت نہ دی کہ میں اس (مہلت) میں کچھ صدقہ کر لیتا اور نیک بن جاتا لیکن جب کسی نفس کی موت آجاتی ہے تو اللہ اُسے مہلت نہیں دیا کرتا اور اللہ تمہارے اعمال سے واقف ہے۔

پھر خاص اُن لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جو اس دُنیا میں موت اور قیامت کو بھلا بیٹھتے ہیں اور ہمہ تن دنیا میں ہی مشغول رہتے ہیں اور اصلاحِ نفس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے انہیں ان کے بُرے انجام سے خبردار کرتے ہوئے فرماتا ہے :۔

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا

تو کہہ کہ وہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے ضرور تمہاری روح قبض کرے گا پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور اگر تجھے وہ حالت معلوم ہو جائے جبکہ مجرم اپنے رب کے سامنے اپنا سر ڈالے کھڑے ہوں گے

وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ٥ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ٥ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ٥ (السجدہ آیات ۱۲ تا ۱۵)

اور کہہ رہے ہوں گے اے ہمارے رب! ہم نے (جو کچھ تُو نے کہا تھا) دیکھ لیا اور سُن لیا پس اب تُو ہمیں واپس لوٹا دے تاکہ تیرے حکم کے مطابق عمل کریں، ہم اب تیری بات پوری پوری طرح یقین کر چکے ہیں۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو اُس کے مناسبِ حال ہدایت دیتے لیکن میری بات پوری ہوگئی کہ مَیں ضرور جہنم کو جنوں اور انسانوں سے پُر کروں گا۔ پس آج کے دن کی ملاقات کو بھول جانے کی وجہ سے اور اپنے عملوں کی وجہ سے دیرپا عذاب کا مزہ چکھو اور (یاد رکھو) ہم نے بھی آج تم کو اپنے ذہن سے اُتار دیا ہے (یعنی تمہاری پرواہ کرنی چھوڑ دی ہے۔)

اِن آیات سے یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ مومن روحانی ترقی اور لازوال اخروی انعامات کے پیشِ نظر موت کو ہمیشہ یاد رکھیں، اُس موت کو جس سے کسی کو بھی مفر نہیں اور جو کسی وقت بھی آکر دنیا سے انسان کا تعلق منقطع کر دے گی اور اِس طرح منقطع کر دے گی کہ پھر وہ دوبارہ اُس کی طرف واپس لوٹ ہی نہ سکے گا، اُس وقت اپنے اعمال کا حساب دینے اور جزا سزا پانے کے سوا کوئی چارہ ہی نہ ہوگا۔ خدا تعالیٰ نے موت کو یاد رکھنے کی بار بار تلقین اسی لئے فرمائی ہے کہ تا مومن دنیا اور اُس کی آلائشوں میں پھنس کر اپنے آپ کو ایسا نہ بنا بیٹھیں کہ نفسِ امّارہ کے چکر میں ہی پڑے رہیں اور اگر نفسِ لوّامہ کے درجہ میں پہنچیں بھی تو مزید ترقی کر کے نفسِ مطمئنّہ حاصل کرنے کی بجائے پھر نفسِ امّارہ کی طرف ہی نہ لوٹ جائیں۔

نفسِ مطمئنّہ کے حصول میں موت کو کبھی فراموش نہ کرنے کی اس بنیادی اہمیت کے پیشِ نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پُرمعارف خطبات میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو موت کو ہمیشہ یاد رکھنے اور اس کے نتیجہ میں اعمالِ صالحہ بجا لا کر روحانیت میں ترقی کرتے چلے جانے کی بار بار تلقین فرمایا کرتے تھے۔ حضورؐ کے یہ خطبات کتبِ احادیث کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں اگر ان کا مطالعہ کیا جائے تو بہت کم خطبات ایسے ملتے ہیں جن میں آپؐ نے موت کو یاد رکھنے اور اس کے زیرِ اثر اعمالِ صالحہ بجا لانے کی تلقین نہ فرمائی ہو۔ اکثر و بیشتر حضورؐ کے خطبات کا موضوع یہی ہوتا تھا کہ موت کو کبھی اور کسی حال میں بھی فراموش نہ ہونے دو۔ قبل اِس کے کہ وہ اچانک تمہیں آ لے اصلاحِ نفس اور اعمالِ صالحہ کی شکل میں اپنے لئے توشۂ آخرت مہیا کر لو۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ نے خطبہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا:-

اَلَا اَیُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلٰی رَبِّکُمْ قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا وَبَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ قَبْلَ اَنْ تُشْغَلُوْا۔ وَصِلُوا الَّذِیْ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ رَبِّکُمْ بِکَثْرَةِ ذِکْرِکُمْ لَهٗ وَکَثْرَةِ الصَّدَقَةِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَةِ۔ تُرْزَقُوْا وَتُؤْجَرُوْا وَتُنْصَرُوْا۔ (ابن ماجہ)

اے لوگو! آگاہ رہو۔ مرجانے سے پیشتر اللہ کے سامنے اپنے تمام گناہوں سے توبہ کر لو اور قبل اسکے کہ موت تم کو اپنی طرف کھینچ لے نیک اعمال اختیار کرو اور اللہ سے اپنا تعلق کثرتِ ذکر و اذکار اور خفیہ و اعلانیہ خیرات کے ذریعہ مضبوط کر لو۔ اس سے تمہارے رزق میں فراخی ہوگی، اجر پاؤ گے اور خدائی نصرت تمہارے شاملِ حال ہوگی۔

ایک اور موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں لوگوں کو موت کو یاد رکھنے اور موت آنے سے قبل توشۂ آخرت مہیا کرنے کی نہایت ہی مؤثر انداز میں تلقین فرمائی۔ فرمایا:۔

اِنَّ الْمُؤْمِنَ بَیْنَ مَخَافَتَیْنِ۔ بَیْنَ اَجَلٍ قَدْ مَضٰی لَا یَدْرِیْ مَا اللّٰهُ صَانِعٌ بِهٖ وَبَیْنَ اَجَلٍ قَدْ بَقِیَ لَا یَدْرِیْ مَا اللّٰهُ قَاضٍ فِیْهِ فَلْیَاْخُذِ الْعَبْدُ مِنْ نَفْسِهٖ لِنَفْسِهٖ وَمِنْ دُنْیَاهُ لِاٰخِرَتِهٖ وَمِنَ الشَّیْبَةِ قَبْلَ الْکِبَرِ وَمِنَ الْحَیٰوةِ قَبْلَ الْمَوْتِ۔ فَوَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ مِنْ مُّسْتَعْتَبٍ وَّلَا بَعْدَ الدُّنْیَا دَارٌ اِلَّا الْجَنَّةُ اَوِ النَّارُ۔ (المواہب اللدنیہ ج ۲ صفحہ ۲۰۶)

ایک مومن کو چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو دو خوفناک حالتوں سے گھرا ہوا سمجھے۔ ایک گزری ہوئی حالت کہ نہ معلوم کئے ہوئے اعمال کو خدا قبول فرماتا ہے یا نہیں۔ ایک آنے والی حالت معلوم نہیں اس وقت عملِ صالح کی فرصت ملتی ہے یا نہیں۔ پس انسان کو لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح کر کے اپنے لئے توشۂ آخرت مہیا کرے اور دنیا میں رہ کر اپنی عاقبت سنوار لے۔ بڑھاپے سے پہلے جوانی میں اور موت سے پہلے زندگی میں عملِ صالح بجا لائے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ مرجانے کے بعد عتاب اور خجالت دُور کرنے کا کوئی موقع ہاتھ نہ آئے گا۔ یاد رکھو دنیا کے بعد جنت یا دوزخ کے سوا کوئی اور ٹھکانہ نہیں۔

مدینہ میں ایک میّت کو دفن کرنے کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے ایک بہت ہی بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں حضورؐ نے اس امر پر روشنی ڈالی کہ انسان اپنی غفلت سے موت کو فراموش کر بیٹھتا ہے اور سراسر دنیا کمانے میں ہی منہمک ہو کر اپنے نفس کو ناپاک سے ناپاک تر بناتا چلا جاتا ہے۔ اُس کی غفلت کا یہ حال ہے کہ وہ دوسروں کی موت سے بھی تو سبق حاصل نہیں کرتا۔ اگر وہ سوچتا اور غور کرتا رہے کہ بہر حال اُس نے ایک دن مرنا

ہے اور اپنے اعمال کا جواب دینا ہے تو وہ غفلت کے پردے اُتار پھینکے اور اپنے نفس کا تزکیہ کر کے نیک اعمال بجالانے میں ہی مشغول رہے۔ حضورؐ نے فرمایا :۔

اَیُّھَا النَّاسُ ! کَاَنَّ الْمَوْتَ فِیْھَا عَلٰی غَیْرِنَا قَدْ کُتِبَ۔ وَکَاَنَّ الْحَقَّ فِیْھَا عَلٰی غَیْرِنَا قَدْ وَجَبَ۔ وَکَاَنَّ الَّذِیْ نُشَیِّعُ مِنَ الْاَمْوَاتِ سَفْرٌ عَمَّا قَلِیْلٍ اِلَیْنَا رَاجِعُوْنَ۔ نُبَوِّئُھُمْ اَجْدَاثَھُمْ وَنَاْکُلُ مِنْ تُرَاثِھِمْ کَاَنَّا مُخَلَّدُوْنَ بَعْدَھُمْ۔ وَنَسِیْنَا کُلَّ وَاعِظَۃٍ وَاَمِنَّا کُلَّ جَائِحَۃٍ۔ طُوْبٰی لِمَنْ شَغَلَہٗ عَیْبُہٗ عَنْ عُیُوْبِ النَّاسِ۔ طُوْبٰی لِمَنْ اَنْفَقَ مَالًا اکْتَسَبَہٗ مِنْ غَیْرِ مَعْصِیَۃٍ۔ وَجَالَسَ اَھْلَ الْفِقْہِ وَالْحِکْمَۃِ وَخَالَطَ اَھْلَ الذُّلِّ وَالْمَسْکَنَۃِ۔ طُوْبٰی لِمَنْ زَکَتْ وَحَسُنَتْ خَلِیْقَتُہٗ وَطَابَتْ سَرِیْرَتُہٗ وَعَزَلَ عَنِ النَّاسِ شَرَّہٗ۔ طُوْبٰی لِمَنْ اَنْفَقَ مِنْ مَالِہٖ وَاَمْسَکَ الْفَضْلَ مِنْ قَوْلِہٖ وَوَسِعَتْہُ السُّنَّۃُ وَلَمْ تَسْتَھْوِہِ الْبِدْعَۃُ۔ (جمہرۃ خطب العرب صـ۵۲)

اے لوگو! (ہماری غفلت کا یہ حال ہے) گویا موت ہمارے لئے نہیں بلکہ فقط دوسروں کے لئے مقدر ہو چکی ہے۔ اور گویا حقوق کی ادائیگی ہم پر نہیں بلکہ تنہا دوسرے لوگوں پر واجب ہے۔ اور جن مُردوں کے ساتھ ہم قبرستان تک آتے ہیں گویا وہ چند دن کی مسافرت پر ہیں اور وہ واپس لَوٹ کر ہم سے پھر آملیں گے۔ اُن کو تو ہم قبر میں دفن کر دیتے ہیں اور اُن کا مال ایسے اطمینان سے کھاتے ہیں گویا ہم کو اُن کے بعد دنیا میں ہمیشہ ہمیش رہنا ہے ہم نصیحت کی ہر بات بُھلا بیٹھے ہیں اور ہر آفت سے اپنے آپکو امن میں سمجھتے ہیں۔ مبارک ہے وہ جو اپنے عیوب پر نظر کر کے دوسروں کی عیب جوئی سے بچا رہا۔ مبارک ہے وہ جس نے حلال کی کمائی خدا کی راہ میں خرچ کی، علماء اور عقلمندوں کی ہم نشینی اختیار کی اور جو غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ ملتا جلتا رہا۔ مبارک ہے وہ جس کے اخلاق اچھے اور پاکیزہ ہوں، دل پاک اور مطہر ہو اور جو لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے۔ مبارک ہے وہ جو ضرورت سے بچا ہوا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتا رہے اور فضول گفتگو سے پرہیز کرے۔ راہِ شریعت پر عمل کرنا اُس کے لئے آسان ہو اور بدعت اُسے اپنی طرف راغب نہ کر سکے۔

ایک اور موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت ہی لطیف مثال دے کر واضح فرمایا کہ انسان کو یہ کبھی نہ سمجھنا چاہیئے کہ اُس کی عمر لمبی ہے بلکہ ہمیشہ ہی موت کو قریب سمجھ کر نیک اعمال بجالانے میں منہمک رہنا چاہیئے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضورؐ نے یہ خطبہ عصر کے بعد ارشاد فرمایا۔ حضورؐ نے سلسلۂ خطاب جاری رکھا یہاں تک کہ مغرب کا وقت

قریب آگیا اور درختوں کی شاخوں پر کچھ کچھ سُرخی باقی رہ گئی۔ اُس وقت حضورؐ نے موت کو یاد رکھنے کی تلقین کے سلسلہ میں عمر کی ناپائیداری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:۔

اِنَّهٗ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا فِيْمَا مَضٰى اِلَّا كَمَا بَقِيَ مِنْ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْمَا مَضٰى۔ (جمہرة خطب العرب ص۵۴)

دنیا کی باقی ماندہ عمر کی نسبت گزرے ہوئے زمانہ سے فقط اتنی ہے جتنی اس باقی ماندہ وقت کو گزرے ہوئے دن سے۔

اِس نہایت ہی لطیف مثال سے حضورؐ کی مراد یہ بھی تھی کہ انسان کو چاہیئے کہ وہ اِس دھوکا میں کبھی نہ رہے کہ ابھی بہت عمر باقی ہے بلکہ موت کو ہمیشہ قریب سمجھے اور بلا توقف نیکیاں بجا لانے میں مصروف ہو جائے تاکہ ایسا نہ ہو کہ موت کا وقت جو بجز خدا کے کسی کو معلوم نہیں اچانک آجائے اور پھر انسان کو پچھتانا پڑے۔

اسی طرح حضورؐ نے ایک خطبہ میں بہت ہی لطیف و بلیغ انداز میں واضح فرمایا کہ موت کو کبھی دُور نہ سمجھو۔ اِس خطبہ میں حضورؐ نے ایک مختصر سا فقرہ ایسا فرمایا کہ جو مختصر ہونے کے باوجود حکمت و معرفت کے ایک بھرپور خزینہ کی حیثیت رکھتا ہے حضورؐ نے خبردار کرتے ہوئے فرمایا:۔

اَلَا اِنَّ مَا هُوَ آتٍ قَرِيْبٌ وَاِنَّ الْبَعِيْدَ مَا لَيْسَ بِآتٍ۔ (ابن ماجہ)

یاد رکھو جو چیز آنے والی ہو اُسے ہمیشہ قریب سمجھنا چاہیئے دُور وہ چیز ہوتی ہے جو آنے والی نہ ہو۔

اگر کبھی کبھار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ محسوس فرماتے کہ حضورؐ کے اصحابؓ میں سے بعض کا رویّہ ایسا ہے کہ جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ گویا انہوں نے چند لمحوں کے لئے موت کو فراموش کر دیا ہے تو اِس سے حضورؐ کو سخت تکلیف ہوتی۔ اور حضورؐ انہیں فوراً سرزنش فرماتے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضورؐ نماز پڑھانے باہر تشریف لائے حضورؐ نے دیکھا کہ مسجد میں بعض ناپختہ کار لوگ ذکرِ الٰہی کی بجائے باہم ہنسی مذاق میں مشغول ہیں حضورؐ کو اُن کی یہ بات بہت ہی ناگوار گزری حضورؐ نے اُن کے اِس فعل کو اِس امر کا نتیجہ قرار دیا کہ انہوں نے فی الوقت موت کو فراموش کر دیا ہے ورنہ خانۂ خدا میں خشوع و خضوع کا طریق اختیار کرنے کی بجائے وہ کبھی ہنسی مذاق اور استہزاء کا طریق اختیار نہ کرتے۔ حضورؐ سے رہا نہ گیا اُسی وقت حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے ایک جلالی خطبہ ارشاد فرمایا۔ حضورؐ نے اس کے آغاز میں فرمایا:۔

اَمَا اِنَّكُمْ لَوْ اَكْثَرْتُمْ ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ لَشَغَلَكُمْ عَمَّا اَرٰى۔ فَاَكْثِرُوْا مِنْ ذِكْرِ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ فَاِنَّهٗ لَمْ يَأْتِ عَلَى الْقَبْرِ يَوْمٌ اِلَّا تَكَلَّمَ فَيَقُوْلُ اَنَا بَيْتُ الْغُرْبَةِ،

اگر تم لوگ لذّتوں کا قلع قمع کر دینے والی موت کو پیشِ نظر رکھتے تو آج میں تم کو ہنستے نہ دیکھتا۔ موت کو اکثر اپنے سامنے رکھو۔ (یاد رکھو) کہ قبر سے ہر روز یہ آواز آتی ہے کہ میں غربت اور تنہائی کا گھر ہوں، بن خاک (میں ملا کر خاک کر دینے) والا مکان۔

اَنَا بَيْتُ الْوَحْدَةِ وَاَنَا بَيْتُ التُّرَابِ وَاَنَا بَيْتُ الدُّوْدِ - (ترمذی) ہوں، مَیں کیڑوں والا مسکن ہوں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جب اِس آخری زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام احیاءِ اسلام اور غلبۂ اسلام کے لئے دُنیا میں مبعوث ہوئے اور آپؑ نے اِس مقصد کے پیشِ نظر خادمان و فدائیانِ اسلام کی ایک دردمند جماعت تیار کی تو آپؑ نے بھی اپنے اصحاب کو جہاں ایک طرف نفسِ مطمئنہ کے مینار تک پہنچنے کی تلقین فرمائی وہاں دوسری طرف اِس بلند درجہ کے حصول کے ایک ذریعہ کے طور پر موت کو ہمیشہ یاد رکھنے اور اِس طرح ہر آن اپنے نفسوں کا محاسبہ کرتے ہوئے روحانی لحاظ سے ترقی کرتے چلے جانے کی اہمیت کو بار بار اور بہ تکرار اُن کے ذہن نشین کرایا۔ جہاں تک نفسِ مطمئنہ کے حصول کا تعلق تھا آپؑ نے پُرزور انداز میں تلقین کرتے ہوئے فرمایا :-

"اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ - یہ تسلّی بخش وعدہ ناصرہ میں پیدا ہونے والے ابنِ مریم سے ہوا تھا۔ مگر مَیں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ یسوع مسیح کے نام سے آنے والے ابنِ مریم کو بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں الفاظ میں مخاطب کر کے بشارت دی ہے۔ اب آپ سوچ لیں کہ جو میرے ساتھ تعلق رکھ کر اِس وعدۂ عظیم اور بشارتِ عظیم میں شامل ہونا چاہتے ہیں کیا وہ وہ لوگ ہو سکتے ہیں جو امّارہ کے درجہ میں پڑے ہوئے فسق و فجور کی راہوں پر کاربند ہیں ؟۔ نہیں ہرگز نہیں ...... خوب دھیان دے کر سُن رکھو کہ اگر اِس بشارت سے حصّہ لینا چاہتے ہو اور اِس کے مصداق ہونے کی آرزو رکھتے ہو اور اتنی بڑی کامیابی (کہ قیامت تک مکفرین پر غالب رہو گے) کی سچّی پیاس تمہارے اندر ہے تو پھر اتنا ہی مَیں کہتا ہوں کہ یہ کامیابی اُس وقت تک حاصل نہ ہو گی جب تک لوّامہ کے درجہ سے گزر کر مطمئنہ کے مینار تک نہ پہنچ جاؤ۔" (رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء)

چونکہ نفسِ مطمئنہ کے حصول کی جدّوجہد میں موت کو ہر آن یاد رکھنے اور اِس طرح اپنے نفسوں کا محاسبہ کرتے ہوئے روحانیت میں ترقی کرتے چلے جانے کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اس لئے آپؑ نے موت کو بہر طور یاد رکھنے پر اِس کثرت اور شدّ و مدّ کے ساتھ زور دیا کہ اِس کی اہمیت واضح ہوئے بغیر نہ رہی۔ اِن میں سے بعض اہم ارشادات کے اقتباسات ہم ذیل میں درج کرتے ہیں ــــ آپؑ موت کو کبھی فراموش نہ کرنے کی اہمیت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

(۱) "یاد رکھو قبریں آواز دے رہی ہیں اور موت ہر وقت قریب ہوتی جاتی ہے۔ ہر ایک سانس تمہیں موت کے قریب کرتا جاتا ہے اور تم اسے فرصت کی گھڑیاں سمجھتے جاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سے مکر کرنا مومن کا کام نہیں ہے۔ جب موت کا وقت آگیا پھر ایک ساعت آگے پیچھے نہ ہوگی۔ وہ لوگ جو اِس سلسلہ کی قدر نہیں کرتے اور انہیں کوئی عظمت اِس کی معلوم ہی نہیں اُن کو جانے دو مگر ان سب سے بدقسمت اور اپنی جان پر ظلم کرنے والا تو وہ ہے جس نے اِس سلسلہ کو شناخت کیا اور اِس میں شامل ہونے کی فکر کی لیکن اُس نے کچھ قدر نہ کی۔" (الحکم ۳۱ جولائی ۱۹۰۱ء)

(۲) "موت کیا دُور ہے۔ جس کی پچاس برس کی عمر ہو چکی ہے اگر وہ زندگی پالے گا تو دو چار برس اور پالے گا یا زیادہ سے زیادہ دس برس۔ آخر مرنا ہوگا۔ موت ایک یقینی شے ہے جس سے ہرگز ہرگز کوئی بچ نہیں سکتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ لوگ روپے پیسے کے حساب میں ایسے غلطاں و پیچاں رہتے ہیں کہ کچھ حد نہیں۔ مگر عمر کا حساب کبھی بھی نہیں کرتے۔ **بدبخت ہے وہ انسان جس کو عمر کے حساب کی طرف توجہ نہ ہو۔ سب سے ضروری اور حساب کے لائق جو شے ہے وہ تو عمر ہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ موت آجائے اور انسان حسرت لے کر دنیا سے کوچ کرے۔** قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ جیسے بہشتی زندگی اِسی دنیا سے شروع ہو جاتی ہے جہنم کی زندگی بھی یہاں ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ جب انسان حسرت کے ساتھ مرتا ہے تو بہت بڑے جہنم میں ہوتا ہے کیونکہ دیکھتا ہے کہ اب چلا۔ ہیضہ، طاعون، محرقہ، خفقان یا کسی اور شدید مرض میں مبتلا ہوتا ہے تو موت سے پہلے ہی ایک موت وارد ہو جاتی ہے جو دل اور رُوح کو فرسودہ کر دیتی ہے اور وہ حسرت ہوتی ہے۔ بعض امراض ایسے ہوتے ہیں کہ دو منٹ دم لینے نہیں دیتے اور جھٹ پٹ کام تمام کر دیتے ہیں۔ جس نے ایک دن بھی مطالعہ کیا کہ مَیں مرنے والا جانور ہوں وہ عذاب سے بچنے کی فکر میں ہوا جو انسان کو حسرت کے رنگ میں کھا جاتا ہے ..... یقیناً یاد رکھو کہ دنیا کوئی چیز نہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ہم سب جو اِس وقت یہاں موجود ہیں سالِ آئندہ میں بھی ضرور ہوں گے۔ بہت سے ہمارے دوست جو پچھلے سال موجود تھے آج نہیں ہیں۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ اگلے سال نہ ہوں گے۔ اِسی طرح اب کون کہہ سکتا ہے کہ ہم ضرور ہوں گے۔ اور کس کو معلوم ہے کہ مرنے والوں کی فہرست میں کس کس کا نام ہے۔ **بس بڑا ہی مورکھ اور نادان ہے وہ شخص جو مرنے سے پہلے خدا سے صلح نہیں کرتا۔**" (الحکم ۲۴ جنوری ۱۹۰۱ء)

موت کو ہر آن یاد رکھنے اور اِس سے کبھی غافل نہ ہونے کی تلقین کے ضمن میں آپ نے جس چیز پر خاص

زور دیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان دنیا میں رہ کر دنیا سے دل برداشتہ رہے۔ اس سے اور اس کے مال و منال سے ایسا دل نہ لگائے کہ موت یاد ہی نہ رہے اور اس طرح اصلاح و ترقی کی کوئی صورت ہی نہ نکل سکے۔ چنانچہ آپؑ دنیا سے دل نہ لگانے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

(۱) "یہ مت خیال کرو کہ کوئی ظاہری دولت یا حکومت، مال و عزت، اولاد کی کثرت کسی شخص کے لئے کوئی راحت یا اطمینان و سکینت کا موجب ہو جاتی ہے اور وہ دم نقد بہشت ہی ہوتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ وہ اطمینان اور وہ تسلّی اور وہ تسکین جو بہشت کے انعامات میں سے ہیں ان باتوں سے نہیں ملتی۔ وہ خدا ہی میں زندہ رہنے اور مرنے سے مل سکتی ہے جس کے لئے انبیاء علیہم السلام خصوصاً ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام کی بھی وصیّت تھی کہ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ لذّاتِ دنیا تو ایک قسم کی ناپاک حرص پیدا کر کے طلب اور پیاس کو بڑھا دیتی ہیں، استسقاء کے مریض کی طرح پیاس نہیں بجھتی، یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ پس یہ بے جا آرزوؤں اور حسرتوں کی آگ بھی منجملہ اسی جہنم کی آگ ہے جو انسان کے دل کو راحت و قرار نہیں لینے دیتی بلکہ اس کو ایک تذبذب اور اضطراب میں غلطاں و پیچاں رکھتی ہے۔ اس لئے میرے دوستوں کی نظر سے یہ امر ہرگز پوشیدہ نہ رہے کہ انسان مال و دولت یا زن و فرزند کی محبت کے جوش اور نشے میں ایسا دیوانہ اور از خود رفتہ نہ ہو جاوے کہ اُس میں اور خدا تعالیٰ میں ایک حجاب پیدا ہو جاوے۔"
(الحکم ۶ر ستمبر ۱۹۰۰ء)

(۲) "کسی کو کیا معلوم ہے کہ ظہر کے بعد عصر کے وقت تک زندہ رہے۔ بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ہی دورانِ خون بند ہو کر جان نکل جاتی ہے۔ بعض دفعہ چنگے بھلے آدمی مر جاتے ہیں۔ وزیر محمد حسن خان صاحب ہوا خوری کر کے آئے تھے، خوشی خوشی زینہ پر چڑھنے لگے، ایک دو زینے چڑھے ہوں گے کہ چکر آیا بیٹھ گئے، نوکر نے کہا کہ میں سہارا دوں کہا نہیں، پھر دو تین زینے چڑھے پھر چکر آیا اور اسی چکر کے ساتھ جان نکل گئی۔ ایسا ہی غلام محی الدین کونسل کشمیر کا ممبر یکدفعہ ہی مر گیا۔ غرض موت کے آنے کا ہم کو کوئی وقت معلوم نہیں کہ کس وقت آجاوے اس لئے ضروری ہے کہ اس سے بے فکر نہ ہوں۔ پس دین کی غمخواری ایک بڑی چیز ہے جو سکرات الموت میں سرخرو رکھتی ہے۔ قرآن شریف میں آتا ہے اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ۔ ساعت سے مراد قیامت بھی ہوگی ہم کو اس سے انکار نہیں مگر اس میں سکرات الموت بھی مراد ہے کیونکہ انقطاعِ تام کا وقت ہوتا ہے۔ انسان اپنے محبوبات اور مرغوبات سے یکدفعہ الگ ہو جاتا ہے اور ایک عجیب قسم کا زلزلہ اس پر طاری ہو جاتا ہے گویا

اندر ہی اندر وہ ایک شکنجہ میں ہوتا ہے۔ اِس لئے انسان کی تمام تر سعادت یہی ہے کہ وہ موت کا خیال رکھے اور دنیا اور اس کی چیزیں اس کی ایسی محبوبات نہ ہوں جو اس آخری ساعت میں علیحدگی کے وقت اس کے لئے تکالیف کا موجب ہوں ۔"

(الحکم ۲۴ر دسمبر ۱۹۰۰ء)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمر کی ناپائیداری اور موت کے کسی وقت بھی وارد ہو جانے کو دو نہایت ہی لطیف مثالوں سے واضح فرمایا ہے۔ یہ مثالیں اتنی لطیف اور اتنی مسحور کن ہیں کہ دنیا کی بے ثباتی اور عمر کی ناپائیداری دل پر نقش ہو کر انسان کو ایک اَور ہی عالم میں پہنچا دیتی ہے حضورؑ فرماتے ہیں :-

(۱) "موت کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ ہم سب کے سب عمر کی ایک تیز رفتار گاڑی پر سوار ہیں اور مختلف مقامات کے ٹکٹ ہمارے پاس ہیں، کوئی دس برس کی منزل پر اُتر جاتا ہے، کوئی بیس، کوئی تیس، اور بہت ہی کم اسّی برس کی منزل پر۔ جبکہ یہ حال ہے تو پھر کیا ہی بد نصیب وہ انسان ہے کہ وہ اُس وقت کی جو اُس کو دیا گیا ہے کچھ قدر نہ کرے اور اُس کو ضائع کر دے۔" (الحکم ۲۴ر دسمبر ۱۹۰۰ء)

(۲) "یہ زندگی تو بہر حال ختم ہو جائے گی کیونکہ یہ برف کے ٹکڑہ کی طرح ہے۔ خواہ برف کو کیسا ہی صندوقوں اور کپڑوں میں لپیٹ کر رکھو وہ پگھلتی ہی جاتی ہے۔ اسی طرح پر خواہ زندگی کے قائم رکھنے کی کچھ بھی تدبیریں کی جاویں لیکن یہ سچی بات ہے کہ وہ ختم ہوتی جاتی ہے اور روز بروز کچھ نہ کچھ فرق آتا ہی جاتا ہے۔ دنیا میں ڈاکٹر بھی ہیں طبیب بھی ہیں مگر کسی نے عمر کا نسخہ نہیں لکھا۔"

(الحکم ۱۷ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

پھر ایک موقع پر تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقامِ ولایت جو نفسِ مطمئنہ ہی کا دوسرا نام ہے حاصل کرنے کی نصیحت فرماتے ہوئے ساتھ ہی موت کو ہر وقت یاد رکھنے اور اس کے زیرِ اثر ہر آن اپنی اصلاح کر کے روحانیت اور تعلق باللہ میں ترقی کرتے چلے جانے کی پُر زور تلقین فرمائی اور اِس طرح دونوں کے باہمی تعلق کو بڑی عمدگی سے واضح فرمایا۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں :-

"انسان کو چاہیئے کہ وہ اِس مقام کے حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ سعی کرتا رہے۔ موت کا کوئی وقت معلوم نہیں ہے کہ کب آجاوے۔ مومن کو مناسب ہے کہ وہ کبھی غافل

نہ ہو اور خدا تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔"

(بدر ۱۱؍ جولائی ۱۹۱۲ء)

قرآنِ مجید کی یہ سب آیات نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات اور حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کے ملفوظات کے یہ تمام اقتباسات جو بطور نمونہ ہم نے یہاں درج کئے ہیں اِس امر کے آئینہ دار ہیں کہ نفسِ مطمئنّہ کے حصول کی جدوجہد میں موت کو یاد رکھنے اور اسے قریب سمجھ کر ہر آن اپنے اعمال کا احتساب کرتے رہنے کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اِس میں شک نہیں نفسِ مطمئنّہ کا درجہ اپنے نفس پر ایک موت وارد کرنے اور ہمہ تن خدا ہی کا ہو جانے کے بعد حاصل ہوتا ہے لیکن اِس امر کا احساس کہ یہ دنیا اور اس کی ہر چیز فانی ہے اور ہر انسان کو بہرحال جلد یا بدیر ایک نہ ایک دن اِس جہان سے کُوچ کر کے اپنے خالق ومالک کے حضور حاضر ہونا ہے انسان کے لئے مہمیز کا کام دیتا ہے اور اسے کبھی غافل نہیں ہونے دیتا۔ اِس احساس کے ماتحت انسان حسنات بجالانے میں آگے ہی آگے قدم بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ وہ کسی بھی درمیانی منزل پر نہیں ٹھہرتا تاآنکہ نفسِ مطمئنّہ حاصل کر کے براہِ راست خود خدا کی حفاظت میں نہ آجائے اور انوار و برکاتِ سماوی سے براہِ راست حصّہ نہ پانے لگے۔ یہ موت کو فراموش کر دینے کا ہی نتیجہ ہوتا ہے کہ انسان خدا سے غافل ہو کر دن بدن دنیا اور اس کی لذّات ہی کا والہ و شیدا بن کر بکلی شیطان کے پنجہ میں چلا جاتا اور اسفل السافلین میں جا شامل ہوتا ہے۔

سو اگر دیکھا جائے تو نفسِ امّارہ سے چھٹکارا حاصل کرنے اور ایک دفعہ نفسِ لوّامہ کے مرتبہ تک پہنچ کر نفسِ مطمئنّہ کی طرف قدم بڑھانے میں موت سے ہمکنار ہونے کے احساس کو اُس ابتدائی زینہ کی حیثیت حاصل ہے جو انسان کو سفلی زندگی سے بچا کر روحانی بلندیوں کی طرف قدم مارنے کے قابل بناتا ہے۔ ہمارے لئے اِس زینہ پر گامزن ہونا از بس ضروری ہے کیونکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ کا خدائی وعدہ اُس وقت تک ہمارے حق میں پورا نہیں ہوگا جب تک کہ ہم نفسِ مطمئنّہ کے مینار تک نہ پہنچیں گے۔ اصلاحِ نفس کی جدوجہد میں کامیابی حاصل کر کے اِس بلند مینار پر پہنچنا ہمارا مطمحِ نظر ہے۔ اِس سے ورے کسی مقام پر مطمئن ہونا خود کو خسرانِ مبین میں مبتلا کرنے کے مترادف ہوگا۔ پس ہمیں ہر آن اِسی کوشش میں رہنا چاہیئے کہ اصلاحِ نفس کی جدوجہد میں ہمارا قدم آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے اور کبھی ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ ہم اپنی شومئِ قسمت سے قدم پیچھے ہٹانے کا خیال بھی دل میں لائیں۔ یہ جبھی ہو سکتا ہے کہ ہم قرآن مجید

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمودات کی روشنی میں موت سے کبھی غافل نہ ہوں اور ہر آن توشۂ آخرت مہیا کرنے میں لگے رہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم میں سے ہر ایک کو نفسِ مطمئنّہ کے حصول کے اس ابتدائی لیکن نہایت اہم اور مؤثر ذریعہ کو اختیار کرنے اور اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم اُسی کی دی ہوئی توفیق سے روحانیت کے میدان میں برق رفتاری کے ساتھ ترقی کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ نفسِ مطمئنّہ کے بلند مینار پر پہنچ کر ہی دم لیں اور جب اس جہان سے رخصت ہوں تو خدا کے فرشتے گواہی دیں کہ یہ خدا کے وہ منتخب بندے ہیں کہ جو اس دنیا میں اسلام پر ہی جیئے اور اب اسلام پر ہی انہیں موت آئی ہے اور بلا شبہ یہ وہی خوش نصیب ہیں جو رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ کے مصداق ہیں۔ اے قادر و کریم اور رحمٰن و رحیم خدا تُو ایسا ہی کر +

انسانی زندگی کا کچھ اعتبار نہیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"انسانی زندگی کا کچھ اعتبار نہیں اس لئے جس قدر احباب اس وقت میرے پاس جمع ہیں مَیں خیال کرتا ہوں شاید آئندہ سال جمع نہ ہو سکیں۔ اور انہی دنوں میں مَیں نے ایک کشف بھی دیکھا ہے کہ اگلے سال بعض احباب دنیا میں نہ ہوں گے گو مَیں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کشف کے مصداق کون کون احباب ہوں گے اور مَیں جانتا ہوں کہ یہ اس لئے ہے تا ہر ایک شخص بجائے خود سفرِ آخرت کی تیاری رکھے ..... جیسا کہ مَیں نے ابھی کہا ہے مجھے کسی کا نام نہیں بتلایا گیا لیکن میں یہ اللہ تعالیٰ کے اعلام سے خوب جانتا ہوں کہ قضاء و قدر کا ایک وقت ہے اور ضرور ایک وقت اس فانی دنیا کو چھوڑنا ہے۔ اس لئے یہ کہنا نہایت ضروری ہے کہ ہر شخص اور ہر دوست جو اس وقت موجود ہے وہ میری باتوں کو قصہ گو کی داستان کی طرح نہ سمجھے بلکہ یہ ایک واعظ من جانب اللہ اور مامور من اللہ ہے جو نہایت خیر خواہی اور سچی بھلائی اور پوری دلسوزی سے باتیں کرتا ہے۔"

(رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء)

کلماتِ طیّبات حضرت مسیح موعود علیہ السّلام

یہ کبھی نہ بھولو کہ ایک روز اللہ تعالیٰ کے حضور جانا ہے

ہمیشہ اس فکر میں لگے رہو کہ تم عمدہ حالت میں اس دنیا سے کوچ کرو

جلسۂ سالانہ ۱۸۹۷ء کے مبارک موقع پر امام الزمان سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک روح پرور تقریر ارشاد فرماتے ہوئے اپنے اصحاب کو جہاں اور بہت سی بیش قیمت نصائح فرما کر انہیں علوم و معارف کی بے اندازہ دولت سے مالا مال فرمایا وہاں انہیں ایک خاص نصیحت یہ بھی فرمائی کہ وہ موت کو کبھی فراموش نہ ہونے دیں اور اس کے زیرِ اثر اپنی زندگیوں میں ایک پاک تبدیلی پیدا کریں تا وہ عمدہ حالت میں اس دنیا سے کوچ کرنے کے قابل بن سکیں۔ حضور علیہ السلام کی اس پُرمعارف تقریر کا وہ حصہ جو خاص اس نصیحت پر مشتمل ہے ذیل میں ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔　　(ادارہ)

"خوب یاد رکھو اور اس کو سچ سمجھو کہ ایک روز اللہ تعالیٰ کے حضور جانا ہے۔ پس اگر ہم عمدہ حالت میں یہاں سے کوچ کرتے ہیں تو ہمارے لئے مبارکی اور خوشی ہے ورنہ خطرناک حالت ہے۔ یاد رکھو کہ جب انسان بُری حالت میں جاتا ہے تو مکانِ بعید اُس کے لئے یہیں سے شروع ہو جاتا ہے یعنی نزع کی حالت ہی سے اس میں تغیّر شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰي یعنی جو شخص مجرم بن کر آوے گا اُس کے لئے ایک جہنّم ہے جس میں نہ مرے گا اور نہ زندہ رہے گا۔ یہ کیسی صاف بات ہے۔ اصل لذّت زندگی کی، راحت اور خوشی ہی میں ہے بلکہ اسی حالت میں وہ زندہ متصوّر ہوتا ہے جبکہ ہر طرح امن و آرام میں ہو۔ اگر وہ کسی درد مثلاً قولنج یا دردِ دانت ہی میں مبتلا ہو جاوے تو وہ مُردوں سے بدتر ہوتا ہے اور حالت ایسی ہوتی ہے کہ نہ تو مُردہ ہی ہوتا ہے اور نہ زندہ ہی کہلا سکتا ہے۔ پس اسی پر قیاس کر لو کہ جہنّم کے دردناک عذاب میں کیسی بُری حالت ہو گی۔

مجرم وہ ہے جو اپنی زندگی میں خدا تعالیٰ سے اپنا تعلق کاٹ لیوے۔ اُس کو تو حکم تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کے لئے

ہو جاتا اور صادقوں کے ساتھ ہو جاتا مگر وہ ہوا و ہوس کا بندہ بن کر رہا اور شریروں اور دشمنانِ خدا اور رسولؐ سے موافقت کرتا رہا گویا اُس نے اپنے طرزِ عمل سے دکھا دیا کہ خدا تعالیٰ سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ یہ ایک عادۃ اللہ ہے کہ انسان جدھر قدم اُٹھاتا ہے اُس کی مخالف جانب سے وہ دُور ہوتا جاتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے الگ ہو کر اگر ہوا و ہوسِ نفسانی کا بندہ ہوتا ہے تو خدا اُس سے دُور ہوتا جاتا ہے اور جوں جوں اِدھر تعلقات بڑھتے ہیں اُدھر کم ہوتے ہیں۔ یہ مشہور بات ہے کہ دل را بدل رہیست۔ پس اگر خدا تعالیٰ سے عملی طور پر بیزاری ظاہر کرتا ہے تو سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ بھی اُس سے بیزار ہے۔ اور اگر خدا تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور پانی کی طرح اُس کی طرف جُھکتا ہے تو سمجھ لے کہ وہ مہربان ہے۔ محبت کرنے والے سے زیادہ اللہ تعالیٰ اُس کو محبت کرتا ہے۔ وہ وہ خدا ہے کہ اپنے محبوں پر برکات نازل کرتا ہے اور اُن کو محسوس کرا دیتا ہے کہ خدا اُن کے ساتھ ہے۔ یہاں تک کہ اُن کے کلام میں اور اُن کے لبوں میں برکت رکھ دیتا ہے اور لوگ اُن کے کپڑوں اور اُن کی ہر بات سے برکت پاتے ہیں۔

اُمتِ محمدیہ میں اِس کا بیّن ثبوت اِس وقت تک موجود ہے کہ جو خدا کے لئے ہوتا ہے خدا اُس کا ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ اپنی طرف آنے والے کی سعی اور کوشش کو ضائع نہیں کرتا۔ یہ ممکن ہے کہ زمیندار اپنا کھیت ضائع کر لے نوکر موقوف ہو کر نقصان پہنچا دے، امتحان دینے والا کامیاب نہ ہو، مگر خدا کی طرف سعی کرنے والا کبھی بھی ناکام نہیں رہتا۔ اُس کا سچا وعدہ ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ خدا تعالیٰ کی راہ میں جو جویا ہوا وہ آخر منزلِ مقصود پر پہنچا۔ دنیوی امتحانوں کے لئے تیاریاں کرنے والے، راتوں کو دن بنا دینے والے طالب علموں کی محنت اور حالت کو دیکھ کر ہم رحم کھا سکتے ہیں تو کیا اللہ تعالیٰ جس کا رحم اور فضل بے حد اور بے انتہا ہے اپنی طرف آنے والے کو ضائع کر دے گا؟ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ اور پھر فرماتا ہے مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر سال ہزارہا طالب علم سالہا سال کی محنتوں اور مشقتوں پر پانی پھرتا ہوا دیکھ کر روتے رہ جاتے ہیں اور خودکشیاں کر لیتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا فضلِ عمیم ایسا ہے کہ وہ ذرا سے عمل کو بھی ضائع نہیں کرتا۔ پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ انسان دنیا میں ظنّی اور وہمی باتوں کی طرف تو اِس قدر گرویدہ ہو کر محنت کرتا ہے کہ آرام اپنے اوپر گویا حرام کر لیتا ہے اور صرف خشک اُمید پر کہ شاید کامیاب ہو جاوے ہزارہا رنج اور دُکھ اُٹھاتا ہے، تاجر نفع کی اُمید پر لاکھوں روپے لگا دیتا ہے مگر یقین اُسے بھی نہیں ہوتا کہ ضرور نفع ہی ہوگا، مگر خدا تعالیٰ کی طرف جانے والے کی (جس کے وعدے یقینی اور حتمی ہیں کہ جس کی طرف قدم اُٹھانے والے کی ذرا بھی محنت رائیگاں نہیں جاتی) میں اِس قدر دوڑ دھوپ اور سرگرمی نہیں پاتا ہوں۔ یہ لوگ کیوں نہیں سمجھتے اور کیوں نہیں ڈرتے کہ آخر ایک دن مرنا ہے؟ کیا وہ ان ناکامیوں کو دیکھ کر بھی اُس تجارت کی فکر میں نہیں لگ سکتے جس میں خسارہ کا نام و نشان

ہی نہیں اور نفع یقینی ہے ؟ -

اللہ تعالیٰ کیسا رحیم ہے اور یہ کیسا خزانہ ہے کہ کوڑی بھی جمع ہو سکتی ہے روپیہ اور اشرفی بھی - نہ چور چکار کا اندیشہ نہ یہ خطرہ کہ دیوالہ نکل جائے گا - حدیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی ایک کانٹا راستہ سے ہٹا دے تو اس کا بھی ثواب اس کو دیا جاتا ہے اور پانی نکالتا ہوا اگر ایک ڈول اپنے بھائی کے گھڑے میں ڈال دے تو خدا تعالیٰ اس کا بھی اجر ضائع نہیں کرتا - پس یاد رکھو کہ وہ راہ جہاں انسان کبھی ناکام نہیں ہو سکتا وہ خدا کی راہ ہے - دنیا کی شاہراہ ایسی ہے جہاں قدم قدم پر ٹھوکریں اور ناکامیوں کی چٹانیں ہیں - وہ لوگ جنہوں نے سلطنتوں تک کو چھوڑ دیا آخر بے وقوف تو نہ تھے - جیسے ابراہیم ادھم، شاہ شجاع، شاہ عبد العزیز جو مجدّد بھی کہلاتے ہیں حکومت سلطنت اور شوکتِ دنیا کو چھوڑ بیٹھے - اس کی یہی وجہ تو تھی کہ ہر قدم پر ایک ٹھوکر موجود ہے - خدا ایک موتی ہے اس کی معرفت کے بعد انسان دنیاوی اشیاء کو ایسی حقارت اور ذلّت سے دیکھتا ہے کہ ان کے دیکھنے کے لئے بھی اسے طبیعت پر ایک جبر اور اکراہ کرنا پڑتا ہے پس خدا تعالیٰ کی معرفت چاہو اور اس کی طرف ہی قدم اُٹھاؤ کہ کامیابی اسی میں ہے -

اللہ تعالیٰ سے اصلاح چاہنا اور اپنی قوت خرچ کرنا یہی ایمان کا طریق ہے - حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو یقین سے اپنا ہاتھ دعا کے لئے اُٹھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دعا ردّ نہیں کرتا ہے پس خدا سے مانگو اور یقین اور صدقِ نیّت سے مانگو - میری نصیحت پھر یہی ہے کہ اچھے اخلاق ظاہر کرنا ہی اپنی کرامت ظاہر کرنا ہے - اگر کوئی کہے کہ میں کراماتی بننا نہیں چاہتا تو یہ یاد رکھے کہ شیطان اس کو دھوکہ میں ڈالتا ہے - کرامت سے عُجب اور پندار مراد نہیں ہے - کرامت سے لوگوں کو اسلام کی سچائی اور حقیقت معلوم ہوتی ہے اور ہدایت ہوتی ہے - میں تمہیں پھر کہتا ہوں کہ عُجب اور پندار تو کرامتِ اخلاقی میں داخل ہی نہیں پس یہ شیطانی وسوسہ ہے - دیکھو یہ کروڑہا مسلمان جو روئے زمین کے مختلف حصص میں نظر آتے ہیں کیا یہ تلوار کے زور سے یا جبر و اکراہ سے ہوئے ہیں ؟ نہیں، یہ بالکل غلط ہے - یہ اسلام کی کراماتی تاثیر ہے جو ان کو کھینچ لائی ہے - کرامتیں انواع و اقسام کی ہوتی ہیں - منجملہ ان کے ایک اخلاقی کرامت بھی ہے جو ہر میدان میں کامیاب ہے - انہوں نے جو مسلمان ہوئے صرف راستبازوں کی کرامت ہی دیکھی اور اس کا اثر پڑا - انہوں نے اسلام کی عظمت کو نگاہ سے دیکھا نہ کہ تلوار کو دیکھا - بڑے بڑے محقّق انگریزوں کو یہ بات ماننی پڑی ہے کہ اسلام کی سچائی کی روح ہی ایسی قوی ہے جو غیر قوموں کو اسلام میں آنے پر مجبور کر دیتی ہے -

جو شخص اپنے ہمسایہ کو اپنے اخلاق میں تبدیلی دکھاتا ہے کہ پہلے کیا تھا اور اب کیا ہے وہ گویا ایک کرامت دکھاتا ہے - اس کا اثر ہمسایہ پر بہت اعلیٰ درجہ کا پڑتا ہے - ہماری جماعت پر اعتراض کرتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ کیا ترقی ہوگئی ہے اور تہمت لگاتے ہیں کیونکہ افتراء اور غیظ و غضب میں مبتلا ہیں - کیا یہ ان کے لئے باعثِ ندامت نہیں ہے کہ انسان عمدہ سمجھ کر اس سلسلہ میں آتا ہے جیسا کہ ایک رشید فرزند اپنے باپ کی نیک نامی ظاہر کرتا ہے کیونکہ بیعت کرنے والا فرزند کے حکم میں ہوتا ہے اور اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو اُمہات المومنین کہا ہے گویا حضورؐ عامۃ المومنین کے باپ ہیں -

جسمانی باپ زمین پر لانے کا موجب ہوتا ہے اور حیاتِ ظاہری کا باعث ۔ مگر روحانی باپ آسمان پر لے جاتا اور مرکزِ اصلی کی طرف رہنمائی کرتا ہے ۔ کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ کوئی بیٹا اپنے باپ کو بدنام کرے ، طوائف کے ہاں جائے اور بدنام کرتا پھرے ، شراب پیوے یا اور ایسے افعالِ قبیحہ کا مرتکب ہو جو باپ کی بدنامی کا موجب ہوں ۔ میں جانتا ہوں کوئی آدمی ایسا نہیں ہو سکتا جو اس فعل کو پسند کرے لیکن جب وہ ناخلف بیٹا ایسا کرتا ہے تو پھر زبانِ خلق بند نہیں ہو سکتی ۔ لوگ اس کے باپ کی طرف نسبت کر کے کہیں گے کہ یہ فلاں شخص کا بیٹا فلاں بدکام کرتا ہے ۔ پس وہ ناخلف بیٹا خود ہی باپ کی بدنامی کا موجب ہوتا ہے ۔ اِسی طرح پر جب کوئی شخص ایک سلسلہ میں شامل ہوتا ہے اور اُس سلسلہ کی عظمت اور عزت کا خیال نہیں رکھتا اور اس کے خلاف کرتا ہے تو وہ عنداللہ ماخوذ ہوتا ہے کیونکہ وہ صرف اپنے آپ ہی کو ہلاکت میں نہیں ڈالتا بلکہ دوسروں کے لئے ایک بُرا نمونہ ہو کر اُن کو سعادت اور ہدایت کی راہ سے محروم رکھتا ہے ۔ پس جہاں تک آپ لوگوں کی طاقت ہے خدا تعالیٰ سے مدد مانگو اور اپنی پوری طاقت اور ہمّت سے اپنی کمزوریوں کو دُور کرنے کی کوشش کرو ۔ جہاں عاجز آجاؤ وہاں صدق اور یقین سے ہاتھ اُٹھاؤ کیونکہ خشوع اور خضوع سے اُٹھائے ہوئے ہاتھ جو صدق اور یقین کی تحریک سے اُٹھتے ہیں خالی واپس نہیں ہوتے ۔ ہم تجربہ سے کہتے ہیں کہ ہماری ہزارہا دُعائیں قبول ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں ۔

یہ ایک یقینی بات ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے اندر اپنے ابنائے جنس کے لئے ہمدردی کا جوش نہیں پاتا وہ بخیل ہے اگر میں ایک راہ دیکھوں جس میں بھلائی اور خیر ہے تو میرا فرض ہے کہ میں پکار پکار کر لوگوں کو بتلاؤں ۔ اِس امر کی پرواہ نہیں ہونی چاہیئے کہ کوئی اِس پر عمل کرتا ہے یا نہیں ؏ کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے میکنم ــــــ اگر ایک شخص بھی زندہ طبیعت کا نکل آوے تو کافی ہے ۔

میں یہ بات کھول کر بیان کرتا ہوں کہ میرے مناسبِ حال یہ بات نہیں ہے کہ جو کچھ میں آپ لوگوں کو کہتا ہوں میں ثواب کی نیت سے کہتا ہوں ۔ نہیں ! میں اپنے نفس میں انتہا درجہ کا جوش اور درد پاتا ہوں گو وہ وجوہ نامعلوم ہیں کہ کیوں یہ جوش ہے ۔ مگر اِس میں ذرا بھی شک نہیں کہ یہ جوش ایسا ہے کہ میں رُک نہیں سکتا ۔ اِس لئے آپ لوگ اِن باتوں کو ایسے آدمی کی وصایا سمجھ کر کہ پھر شاید ملنا نصیب نہ ہو اِن پر ایسے کاربند ہوں کہ ایک نمونہ ہو اور اُن آدمیوں کو جو ہم سے دُور ہیں اپنے فعل اور قول سے سمجھا دو ۔ اگر یہ بات نہیں ہے اور عمل کی ضرورت نہیں ہے تو پھر مجھے بتلاؤ کہ یہاں آنے سے کیا مطلب ہے ۔ میں مخفی تبدیلی نہیں چاہتا نمایاں تبدیلی مطلوب ہے .....

القصّہ میں پھر تم کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ تم جو میرے ساتھ ایک سچّا تعلق پیدا کرتے ہو اُس سے یہی غرض ہے کہ تم اپنے اخلاق میں ، عادات میں ، ایک نمایاں تبدیلی کر و جو دوسروں کے لئے ہدایت اور سعادت کا موجب ہو ۔“ (رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء)

منظوم عربی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

وَلَيْسَ عِلَاجُ الْوَقْتِ اِلَّا اِطَاعَتِیْ

(تمام موجودالوقت آفات کا علاج میری اطاعت میں ہے۔)

وَلَيْسَ عِلَاجُ الْوَقْتِ اِلَّا اِطَاعَتِیْ اَطِيْعُوْنِ فَالطَّاعُوْنُ يُفْنٰی وَيُدْبَرُ

اور تمام موجود الوقت آفات کا علاج میری اطاعت میں ہے۔ میری اطاعت کرو تو طاعون دُور ہو جائے گی۔

وَقَدْ ذَابَ قَلْبِیْ مِنْ مَصَائِبِ دِيْنِنَا وَاَعْلَمُ مَا لَا يَعْلَمُوْنَ وَاُبْصِرُ

اور میرا دل دین کی مصیبتوں سے گداز ہو گیا ہے۔ اور مجھے وہ باتیں معلوم ہیں جو انہیں معلوم نہیں۔

وَبَثِّیْ وَحُزْنِیْ قَدْ تَجَاوَزَ حَدَّهٗ وَلَوْلَا مِنَ الرَّحْمٰنِ فَضْلٌ اُتَبَّرُ

اور میرا غم اور حزن حد سے بڑھ گیا ہے۔ اگر خدا کا فضل نہ ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا۔

وَعِنْدِیْ دُمُوْعٌ قَدْ طَلَعْنَ الْمَاٰقِيَا وَعِنْدِیْ صُرَاخٌ لَّا يَرَاهُ الْمُكَفِّرُ

اور میرے پاس وہ آنسو ہیں جو گوشۂ آنکھ پر چڑھ رہے ہیں۔ اور میرے پاس وہ آہ ہے جسے مجھے کافر کہنے والا نہیں دیکھ سکتا۔

وَلِیْ دَعَوَاتٌ صَاعِدَاتٌ اِلَى السَّمَاءِ وَلِیْ كَلِمَاتٌ فِی الصَّلَابَةِ تَقْعَرُ

اور میری وہ دعائیں ہیں جو آسمان پر چڑھ رہی ہیں۔ اور میری وہ باتیں ہیں جو پتھر میں دھنس جاتی ہیں۔

وَاُعْطِيْتُ تَاْثِيْرًا مِّنَ اللّٰهِ خَالِقِیْ وَتَاْوِیْ اِلٰى قَوْلِیْ قُلُوْبٌ تُطَهَّرُ

اور میں خدا تعالیٰ کی طرف سے جو میرا پیدا کرنیوالا ہے ایک تاثیر دیا گیا ہوں۔ اور میری بات پر پاک دل مائل ہو رہے ہیں۔

(اعجاز احمدی)

منظوم فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ما ہمہ پیغمبراں را چاکریم!

(ہم تو سب پیغمبروں کے غلام ہیں۔)

ما ہمہ پیغمبراں را چاکریم! ہمچو خاکے اوفتادہ بر درے

ہم تو سب پیغمبروں کے غلام ہیں۔ اور خاک کی طرح اُن کے دروازہ پر پڑے ہیں۔

ہر رسولے کو طریقِ حق نمود جانِ ما قرباں برآں حق پرورے

ہر وہ رسول جس نے خدا کا راستہ دکھایا ہماری جان اس راستباز پر قربان ہے۔

اے خداوندم بہ نخیلِ انبیاء کش فرستادی بہ فضل وافرے

اے میرے خدا اُن انبیاء کے گروہ کے طفیل جن کو تُو نے بڑے بھاری فضلوں کے ساتھ بھیجا ہے۔

معرفت ہم دہ چو بخشیدی دلم مے بدہ زاں ساں کہ دادی ساغرے

مجھے بھی معرفت عطا فرما جیسے تُو نے دل دیا ہے۔ اور شراب بھی عطا کر جبکہ تُو نے جام دیا ہے۔

اے خداوندم بنامِ مصطفٰے کش شدی در ہر مقامے ناصرے

اے میرے خدا۔ مصطفٰے کے نام پر جس کا تُو ہر جگہ مددگار رہا ہے۔

دستِ من گیر از رہِ لطف و کرم در مہمّم باش یار و یاورے

اپنے لطف و کرم سے میرا ہاتھ پکڑ۔ اور میرے کاموں میں میرا دوست اور مددگار بن جا۔

تکیہ بر زورِ تو دارم گرچہ من ہمچو خاکم بلکہ زاں ہم کمترے

مَیں تیری قوت پر بھروسہ رکھتا ہوں کیونکہ مَیں خود خاک کی طرح ہوں بلکہ اس سے بھی کمتر۔

(دیباچہ براہین احمدیہ حصہ اوّل)

مغربی تہذیب اور اسلام

(رقم فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۔الآیہ (الفرقان) کی نہایت لطیف تفسیر بیان فرماتے ہوئے مغربیت کی تقلید کے خطرناک نتائج کا ذکر فرمایا ہے ۔حضور ایدہ اللہ کی بیان فرمودہ تفسیر کا یہ حصہ ذیل میں ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے ۔ (ادارہ)

فرمایا :۔"اس میں مغربیت اور دجالیت کے متعلق بھی پیشگوئی پائی جاتی ہے ۔چنانچہ دیکھ لو قرآن کریم نے اپنے الفاظ میں ہی اس طرف اشارہ کر دیا ہے ۔ فرماتا ہے هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ اور اُجَاجٌ سے یاجوج اور ماجوج دونوں قوموں کی طرف اشارہ ہے ۔اس کے مقابلہ میں عَذْبٌ فُرَاتٌ رکھا ہے اور "حِجْرًا مَّحْجُوْرًا" میں بتا دیا کہ گو تمہیں ان دونوں اقوام سے مل کر رہنا پڑے گا مگر ایسی حالت میں بھی تمہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ تم میٹھے پانی کا سمندر ہو اور وہ کڑوے پانی کا سمندر ہیں ۔ تم مغربیت کی کبھی نقل نہ کرو اور باوجود ان میں ملے ہونے کے ایسے امور کے متعلق صاف طور پر کہہ دیا کرو کہ تم اور ہو اور ہم اور ہیں ۔جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو ہدایت دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم کفار سے صاف طور پر کہہ دو کہ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ (سورۃ الکافرون ع ۱)
گویا ایک برزخ تمہارے اور ان کے درمیان ہمیشہ حائل رہنی چاہیئے ۔خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس وقت سے لے کر قیامت تک دجالی فتنہ سے بڑا فتنہ اور کوئی نہیں ہوگا (مشکوٰۃ باب العلامات بین یدی الساعۃ وذکر الدجال)

چنانچہ اس کی صداقت اس سے ظاہر ہے کہ پہلے زمانوں میں جو فتنے پیدا ہوئے تھے وہ صرف مقامی ہوتے تھے۔ مثلاً ہندوستان کا فتنہ مستقل ہوتا تھا اور وہ ایرانی فتنہ سے متاثر نہیں ہوتا تھا، اور ایرانی فتنہ مستقل ہوتا تھا اور وہ یونانی فتنہ سے متاثر نہیں ہوتا تھا ،اسی طرح مصری فتنہ مستقل ہوتا تھا جو یونانی اور ایرانی فتنوں سے متاثر نہیں ہوتا تھا ۔اس وجہ سے ان فتنوں کا دین پر متفقہ حملہ نہیں ہوتا تھا بلکہ ان کی مثال بالکل ایسی ہی تھی جیسے ایک ملک میں ڈاکو لوٹ مار کر رہے ہوں تو کچھ ایک طرف سے حملہ آور ہوں اور کچھ دوسری طرف سے ۔ڈاکوؤں سے ملک کا امن

بے شک خطرہ میں پڑ جائے گا مگر حکومت تباہ نہیں ہوگی۔ حکومت ہمیشہ منظم طاقتوں سے تباہ ہؤا کرتی ہے۔ لیکن موجودہ فتنہ کے زمانہ میں ریل اور تار اور فون اور ریڈیو کی ایجاد کی وجہ سے ایشیا افریقہ پر اثر انداز ہو رہا ہے اور افریقہ ایشیا پر اثر انداز ہو رہا ہے، یورپ امریکہ پر اثر ڈال رہا ہے اور امریکہ یورپ پر اثر ڈال رہا ہے، اس لئے مختلف ممالک میں جو مذہبی بے چینی پائی جاتی ہے وہ ساری دنیا میں یکساں طور پر پھیلی ہوئی ہے۔ پس پہلے فتنوں اور موجودہ فتنہ میں یہ فرق ہے کہ یہ فتنہ ایک عالمگیر فتنہ ہے۔ جاپان گو عیسائی نہیں مگر اس کے خیالات کی رَو یورپ کے تابع ہے، چین گو عیسائی نہیں مگر اس کے خیالات یورپ کے تابع ہیں، اسی طرح ایران، ترکستان اور عرب عیسائی نہیں ظاہراً مسلمان ممالک ہیں مگر ان کے خیالات کی رَو بھی یورپ کے تابع ہے۔

غرض موجودہ زمانہ میں تمام تحریکات ایک سلک میں پروئی ہوئی ہیں اور ایک نظام کے ماتحت نظر آتی ہیں جس سے اس فتنہ کی ہیبت بہت بڑھ گئی ہے۔ پہلے انسان یہ خیال کرتا تھا کہ ایرانی یا یونانی یوں کہتا ہے مگر اب یہ کہا جاتا ہے کہ دنیا کا ہر معقول پسند انسان یوں کہتا ہے۔ پہلے اگر کسی کے سامنے یہ کہا جاتا تھا کہ ایرانیوں کا یہ عقیدہ ہے تو سُننے والا دل میں کہہ سکتا تھا کہ شاید باقی دنیا کا عقیدہ اس کے خلاف ہو اس لئے وہ مرعوب نہیں ہوتا تھا اور عملاً بھی ایسا ہی تھا یعنی ایک وقت میں ایک ہی بدی سارے عالم میں پھیلی ہوئی نہ تھی کسی ملک میں کوئی بدی ہوتی تھی اور کسی ملک میں کوئی۔ اگر ہندوستان میں دہریت کی رَو تھی تو ایران میں بدعملی کی رَو تھی، یونان میں فلسفہ کی رَو تھی تو مصر میں مشرکانہ خیالات کی رَو تھی۔ پس ان کے اعتراضات میں یکسانیت نہ تھی اور مخالفت میں تنظیم نہیں پائی جاتی تھی لیکن اس زمانہ میں تمام خیالات ایک رَو اور ایک ہی سلک کے ماتحت ہیں۔ جہاں سے بھی کوئی تحریک اُٹھتی ہے اس کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے اور وہ یہ کہ دنیا کو خدا سے دُور کر دیا جائے اور مادیت کی طرف اسے مائل کیا جائے۔ چین، جاپان، سائبیریا، ایران، افغانستان، جہاں جاؤ وہاں یہی مرض دکھائی دے گا۔ ہر شخص دنیا کو دین پر مقدم کر رہا ہوگا اور ہر شخص کی یہ کوشش ہوگی کہ دنیا سے خدا تعالیٰ کی محبت کو مٹا دیا جائے۔ یہ چیز پہلے کبھی ساری دنیا میں ایک وقت میں نہیں پائی جاتی تھی۔

دوسری چیز جو امتیازی رنگ رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ پہلے جتنے حملے ہوتے تھے وہ فلسفیانہ ہوتے تھے، اور فلسفہ کی بنیاد واہمہ اور خیال پر ہے۔ مگر اس وقت جتنے حملے ہوتے ہیں وہ سائنس کی بناء پر ہوتے ہیں اور سائنس کی بنیاد مشاہدہ پر ہے۔ فلسفیانہ اعتراضات کے جوابات میں تو انسان بڑی دلیری سے کہہ سکتا ہے کہ یہ تمہارے ڈھکوسلے ہیں۔ لیکن مشاہدہ پر بنیاد رکھتے ہوئے جب کوئی سوال پیش کیا جائے تو اُس کا جواب دینا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ کہنا کہ اس دنیا کی زندگی ہی اصل زندگی ہے مرنے کے بعد جو کچھ ہوتا ہے وہ کس نے دیکھا کہ وہ آرام و آسائش میسر آ سکے گی ایک فلسفیانہ خیال ہے اور اسے سُن کر ایک انسان متاثر تو ہو سکتا ہے مگر دوسرا شخص یہ بھی

تو کہہ سکتا ہے کہ یہ تو درست ہے کہ اگلے جہان کا ثواب اور عذاب کسی نے نہیں دیکھا لیکن اگلے جہان میں ثواب اور عذاب کا نہ ملنا بھی تو تم نے نہیں دیکھا اس لئے دونوں نظریات سائنس کے لحاظ سے برابر حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن ذراتِ عالم کی بناوٹ پر اپنے خیالات کی بنیاد رکھتے ہوئے اور یہ ثابت کرتے ہوئے کہ دنیا کا ذرہ ذرہ ایک ایسی تنظیم کی صورت رکھتا ہے کہ کارخانۂ عالم خود بخود چلتا چلا جاتا ہے جب کہا جائے کہ اس دنیا کو چلانے کے لئے کسی بیرونی ہستی کی ضرورت نہیں تو یہ سوال ایک نیا رنگ اختیار کر لیتا ہے جو پہلے وسوسہ میں نہیں تھا۔ پھر پہلے خدا تعالیٰ کے وجود کے خلاف صرف فلسفی کھڑے ہوا کرتے تھے مگر اب علم النفس والے بھی کھڑے ہیں، علم طبقات الارض والے بھی کھڑے ہیں، علم ہیئت والے بھی کھڑے ہیں۔ غرض تمام علوم مشترکہ طور پر اسلام کے خلاف پیش کئے جاتے ہیں اور یہ حملہ پہلے سے بہت زیادہ سخت ہے۔

پہلے یہ سمجھ لیا جاتا تھا کہ ایک فلسفی نے خدا تعالیٰ کی ہستی کا انکار کیا ہے، نہ معلوم اس کے قول میں سچائی بھی ہے یا نہیں مگر اب یہ کہا جاتا ہے کہ جس رنگ میں بھی دیکھو یہی نتیجہ نکلے گا کہ نعوذ باللہ خدا نہیں۔ غرض آج کفر اپنے تمام ہتھیار استعمال کر رہا ہے اور یہ حملہ اپنی کمیّت اور کیفیت کے لحاظ سے بے مثال ہے۔ پہلے حملوں میں آدمی کم ہوتے تھے اور پھر وہ متفرق طور پر حملہ کرتے تھے۔ ایرانی اور رنگ میں حملہ کرتا تھا اور جاپانی اور رنگ میں۔ مگر اب تمام دنیا متفقہ طور پر حملہ کرتی اور ایک ہی محاذ پر جنگ لڑتی ہے۔ پھر پہلے حملے فلسفہ تک محدود تھے مگر اب جتنے رائج الوقت علوم ہیں اُن سب کو استعمال کیا جاتا ہے۔ پس اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس فتنہ کے برابر دنیا کا اور کوئی فتنہ نہیں۔ آج دجّالی فتنہ جس رنگ میں دنیا پر غالب ہے اس کی وجہ سے کوئی چیز بھی اسلام کی باقی نہیں رہی، نہ اس کے تمدنی احکام قائم ہیں، نہ سیاسی احکام قائم ہیں، نہ اقتصادی احکام قائم ہیں، اور نہ شخصی احکام قائم ہیں، ہر چیز میں آج تبدیلی کر دی گئی ہے۔ پس جب تک اسے مٹانے کے لئے ہمارے اندر دیوانگی نہ ہو گی، جب تک ہمیں اس تہذیب مغربی سے بغض نہ ہو گا، اتنا بغض کہ اس سے بڑھ کر ہمیں کسی اور چیز سے بغض نہ ہو اُس وقت تک ہم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہم میں سے جو شخص بھی مغربی تہذیب کا دلدادہ ہے وہ روحانی میدان کا اہل نہیں۔ جس تہذیب نے ہمارے مقدّس آقا کی تصویر کو دنیا کے سامنے بھیانک رنگ میں پیش کیا ہے، جس تہذیب نے اسلامی تمدّن کی شکل کو بدل دیا ہے، جب تک اُس کی ایک ایک اینٹ کو ہم ریزہ ریزہ نہ کر دیں کبھی چین اور اطمینان کی نیند نہیں سو سکتے۔ وہ لوگ جو یورپ کی نقالی کرتے اور مغربیت کی رَو میں بہتے چلے جاتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہمارے تن بدن میں تو اُن

کی ایک ایک چیز کو دیکھ کر آگ لگ جانی چاہیئے کیونکہ اسلام اور مغربیت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ یا اسلامی ثقافت زندہ رہے گی یا مغربیت زندہ رہے گی۔ دونوں کی بنیادیں متضاد اصولوں پر ہیں اور اُن کا ایک ہی جگہ جمع ہونا ناممکن ہے۔ مغربیت کی بنیاد ساری کی ساری دنیاوی لذّات اور عیش پرستی پر ہے اور اسلام کی بنیاد کلّی طور پر اللہ تعالیٰ کی رضامندی روحانیت اور اخلاق کی درستی پر ہے۔ اس لئے اِن دونوں کا اجتماع ناممکن ہے۔ مگر یہ امر یاد رکھو کہ انگریز اور مغربیت میں فرق ہے۔ انگریز انسان ہیں اور ویسے ہی انسان ہیں۔ لیکن مغربیت ہدایت نہیں پا سکتی' وہ شیطان کا ہتھیار ہے اور جب تک اسے توڑا نہیں جائیگا دنیا میں حقیقی امن قائم نہیں ہو سکتا۔

یہی وہ برزخ ہے جس کو قائم رکھنے کے لئے میں تحریک جدید کے ذریعہ جماعت کے دوستوں کو توجہ دلا رہا ہوں کہ وہ مغربی اثرات کو کبھی قبول نہ کریں۔ جو احمدی میٹھے پانی کا طلبگار ہے وہ ضرور اُن سے الگ رہے گا اور یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کڑوا اور میٹھا پانی ایک دوسرے میں جذب ہو جائیں۔ اسی طرح میں سمجھتا ہوں کہ جو غیر احمدی ہیں وہ خواہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان نہ لائیں پھر بھی اُن کا فرض ہے کہ وہ مغربیت کی کبھی نقل نہ کریں کیونکہ یہ مسیح موعودؑ کی تعلیم نہیں یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلکہ اُن کے بھیجنے والے خدا کی تعلیم ہے۔ مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے . . . . کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جو کھانے پینے پہننے اور تمدّن و معاشرت سے تعلق رکھنے والے کئی امور میں مغربیت کی نقل کرتا اور اس نقل میں خوشی اور فخر محسوس کرتا ہے۔ اِسی طرح بعض احمدی نوجوان باوجود سمجھانے کے اس طرف جا رہے ہیں۔ یہ لوگ صرف نام کے احمدی ہیں حقیقی احمدی نہیں۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ بعض غیر احمدیوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا کہ شادی بیاہ اور دوسرے معاملات میں آپ اپنی جماعت کے لوگوں کو کیوں اجازت نہیں دیتے کہ وہ ہمارے ساتھ تعلقات قائم کریں۔ آپ نے فرمایا اگر ایک مٹکہ دُودھ کا بھرا ہُوا ہو اور اُس میں کھٹی لسّی کے تین چار قطرے بھی ڈال دیئے جائیں تو سارا دُودھ خراب ہو جاتا ہے۔ مگر لوگ اِس حکمت کو نہیں سمجھتے کہ قوم کی قوّتِ عملیہ کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اُسے دوسروں سے الگ رکھا جائے اور اُن کے بد اثرات سے اُسے بچایا جائے۔ آخر ہم نے دشمنانِ اسلام سے روحانی جنگ لڑنی ہے اگر اُن سے مغلوب اور اُن نقل کرنے والے لوگوں سے ہم گھل مل کر رہیں تو نتیجہ یہ ہو گا کہ ہم بھی یورپ کے نقّال ہو جائیں گے اور ہم بھی جہادِ قرآنی سے غافل ہو جائیں گے۔ پس خود اسلام اور مسلمانوں کے فائدہ کے لئے ہمیں دوسری جماعتوں سے نہیں ملنا چاہیئے تا کہ ہم غافل ہو کر اپنا فرض جو تبلیغ اسلام کا ہے بھول نہ جائیں جس طرح دوسرے مسلمان بھول گئے ہیں۔ اسلام میں پہلے ہی سپاہیوں کی کمی ہے۔ اگر تھوڑے بہت سپاہی جو اُسے میسّر ہیں وہ بھی سُست ہو جائیں تو انہوں نے اسلام کی طرف سے دشمنوں کا کیا مقابلہ

کرنا ہے ......

قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے کہ ذوالقرنین سے بعض قوموں نے درخواست کی کہ یاجوج ماجوج نے ہمارے علاقوں میں بڑا فساد برپا کر رکھا ہے آپ ہمارے اور اُن کے درمیان ایک روک بنا دیں تاکہ وہ ہم میں داخل ہو کر کوئی خرابی پیدا نہ کر سکیں۔ چونکہ اس زمانہ کے ذوالقرنین بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اس لئے بالکل ممکن ہے کہ ذوالقرنین کے دیوار حائل کرنے سے مراد اس زمانہ میں مغربیت اور اسلام میں ہی دیوار حائل کرنا ہو اور دو قوموں سے مراد دو قسم کے جذبات اور قومی خیالات و افکار ہوں۔ بہرحال ہمارا فرض ہے کہ ہم مغربیت اور اسلام کے درمیان ایک ایسی دیوار حائل کر دیں جس کے بعد مغربیت کے لئے ہمارے اندر داخل ہونے کا راستہ کُھلا نہ رہے اور اسلامی فوج ایک ایسے قلعہ میں محفوظ ہو جائے جس پر شیطان کا کوئی حملہ کارگر نہ ہو سکے۔"
(تفسیر کبیر جلد ۵ حصہ ۲ صفحہ ۱۱۲-۱۱۰)

شیطان کا سب سے زیادہ خطرناک وسوسہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"شیطان کے وساوس بہت ہیں اور سب سے زیادہ خطرناک وسوسہ اور شبہ جو انسانی دل میں پیدا ہو کر اسے خسر الدنیا والاٰخرۃ کر دیتا ہے آخرت کے متعلق ہے کیونکہ تمام نیکیوں اور راستبازیوں کا بڑا بھاری ذریعہ منجملہ دیگر اسباب اور وسائل کے آخرت پر ایمان بھی ہے۔ اور جب انسان آخرت اور اس کی باتوں کو قصہ اور داستان سمجھے تو سمجھ لو کہ وہ رد ہو گیا اور دونوں جہانوں سے گیا گزرا ہوا اس لئے کہ آخرت کا ڈر بھی تو انسان کو خائف اور ترساں بنا کر معرفت کے سچے چشمہ کی طرف کشاں کشاں لے آتا ہے اور سچی معرفت بغیر حقیقی خشیت اور خدا ترسی کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ پس یاد رکھو کہ آخرت کے متعلق وساوس کا پیدا ہونا ایمان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے اور خاتمہ بالخیر میں فتور پڑ جاتا ہے۔"
(رپورٹ جلسہ سالانہ ۱۸۹۷ء)

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السّلام

اور

اُن کی بے اندازہ اہمیت

(حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

محترم صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ نے انصار اللہ کے نویں سالانہ اجتماع منعقدہ یکم نومبر تا ۳ نومبر ۱۹۶۳ء کے موقع پر احباب کو اپنے اختتامی خطاب سے نوازنے سے قبل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب و ملفوظات کی عظمت و اہمیت پر بہت ہی دلنشین انداز میں روشنی ڈالی تھی اور احباب کو ان کا بار بار اور بالاستیعاب مطالعہ کرنے اور اس طرح ان کی زندگی بخش تاثیرات سے کما حقہٗ فائدہ اٹھانے کی طرف توجہ دلائی تھی۔ آپ کے اختتامی خطاب کا یہ ابتدائی حصہ افادۂ عام کی غرض سے ذیل میں ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔　(ادارہ)

قبل اس کے کہ مَیں وہ بات شروع کروں جو مجھے اس وقت آپ دوستوں کے سامنے رکھنی ہے مَیں ایک اور امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ مَیں جماعت کے دوستوں تک یہ خوشخبری پہنچا دوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جلد پنجم بھی شائع ہو گئی ہے اور یہ کہ احباب اس موقع پر ملفوظات کی دیگر جلدوں کے ساتھ یہ جلد بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات، تقاریر اور ارشادات اس وقت کئی شکلوں میں ہمارے سامنے ہیں۔ ایک تو وہ کتب ہیں جو حضورؑ نے اپنے قلم معجز رقم سے خود تحریر فرمائیں۔ دوسرے وہ مسحور کن نظمیں ہیں جو حضورؑ نے عربی یا فارسی یا اردو میں لکھیں۔ ان نظموں کے مجموعے عربی، فارسی اور اردو میں علیحدہ علیحدہ چھپے ہوئے ہیں۔ ان کی اپنی ایک خصوصیت اور جداگانہ شان ہے۔ مثلاً درثمین اردو ایک چھوٹی سی کتاب ہے بچے بھی اسے بہت شوق سے پڑھتے ہیں اور اس سے بہت لطف اٹھاتے ہیں۔ اگر یہ ہمارے گھروں میں موجود ہو اور ہمارے توجہ دلانے پر بچے اسے بار بار اور بکثرت پڑھتے رہیں تو یہ امر ان کی تعلیم و تربیت میں بے حد ممد ثابت ہو سکتا ہے،

اس لئے کہ ہر وہ مضمون جو حضورؑ نے اپنی کتب میں شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے اسے اختصار کے ساتھ اور اشارۃً حضورؑ نے اِن نظموں میں ادا فرما دیا ہے۔ مزید برآں وہ اشتہارات ہیں جو حضورؑ نے اپنی زندگی میں حسبِ ضرورت وقتاً فوقتاً شائع فرمائے۔ یہ امر دیگر ہے کہ وہ اشتہارات فی الوقت دستیاب ہو سکتے ہیں یا نہیں لیکن اِس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اُن کی اپنی ایک شان اور اُن کا اپنا ایک مزہ ہے۔ مثلاً آتھم کی پیشگوئی صحیح طور پر سمجھنے کے لئے اُن تمام اشتہارات کو پڑھنا نہایت ضروری ہے جو اس تعلق میں حضورؑ نے اُسوقت لکھے اور شائع فرمائے۔ ان کے علاوہ حضورؑ کے وہ ارشادات و فرمودات ہیں جو ملفوظات کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں اور ان کا اپنا ایک مزہ اور اپنا ایک لطف ہے۔ ان کا مطالعہ کرتے وقت بالکل یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں اور حضورؑ بہت دلنشین انداز میں مختلف موضوعات اور مختلف مسائل پر گفتگو فرما رہے ہیں۔ حاضرین میں سے کوئی ایک بات پوچھتا ہے حضورؑ جواب دیتے ہیں کسی کے دل میں کوئی شبہ پیدا ہوتا ہے، حضورؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم ہو جاتا اور حضورؑ رفع شک کی خاطر اس کے متعلق تقریر شروع فرما دیتے ہیں۔ الغرض ملفوظات کا مطالعہ کرتے وقت ایک قاری پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور اُسے یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ گویا وہ ایک اور ہی عالم میں پہنچا ہوا ہے۔

یہ ملفوظات اُن پُرمعارف مجالس کی تحریری روداد ہیں جن میں حضورؑ سامعین کی فکری نہج اور ان کی ذہنی اور فکری اُلجھنوں کو ملحوظ رکھ کر مختلف مسائل پر گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ ایک جگہ حضورؑ نے فرمایا ہے کہ میرے پاس آکر لمبا عرصہ رہا کرو کیونکہ میں ایک ہی وقت میں ہر ایک کی فکری نہج اور ضرورت کے مطابق بات نہیں کر سکتا اور نہ یہ عملاً کسی انسان کے لئے ممکن ہے۔ میں ایک وقت میں کسی کی ذہنی کیفیت کے مطابق بات کر رہا ہوتا ہوں اور دوسرے وقت میں کسی اور شخص کی ذہنی کیفیت کو ملحوظ رکھ کر بات کر رہا ہوتا ہوں۔ اگر کوئی شخص صرف چند گھنٹے ہی میری صحبت میں رہے اور پھر چلا جائے تو اس امر کا امکان ہے کہ اسکی ذہنی و فکری اُلجھنیں دُور نہ ہوں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اُسوقت میں ایک دوسرے گروہ کی ذہنی اُلجھنوں کو دُور کرنے میں مصروف ہوں اور تمہیں اس سے پورا فائدہ نہ ہو۔ لیکن اگر تم یہاں آکر لمبا عرصہ رہو گے تو تمہیں ایسے مواقع ضرور میسر آجائینگے کہ جب میں تمہاری اپنی فکری نہج کے مطابق بات کر رہا ہوں گا۔ اِس طرح تمہاری اپنی ذہنی اُلجھنیں دُور ہو جائیں گی اور تم اطمینانِ قلب کی دولت سے مالا مال ہو کر اپنے گھروں کو واپس جاؤ گے۔ تو ملفوظات جو حضورؑ کے ایسے ہی پُرمعارف ارشادات پر مشتمل ہیں ان کا اپنا ایک مزہ اور ان کی اپنی ایک جُداگانہ شان ہے اور وہ بڑا ہی عجیب مزہ اور بہت ہی نرالی شان ہے۔ میں اُس مزہ اور شان کی کیفیت کیا بیان کروں اور کیونکر بیان کروں جبکہ الفاظ میں اُسے بیان کرنا ممکن ہی نہیں۔ اسے بیان نہیں کیا جا سکتا ہاں مطالعہ کر کے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اپنی تو یہ حالت ہے کہ ملفوظات کی جلدیں ہمیشہ سرہانے رکھی رہتی ہیں اور جونہی ضروری اور فوری کاموں سے ذرا بھی فرصت ہوتی ہے تو انہیں پڑھنا شروع

کر دیتا ہوں۔ کتاب کھولنے کی دیر ہوتی ہے کہ ایک جہان آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ کہیں دعا کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے، کہیں عیسائیت کے ردّ میں دلائل بیان ہو رہے ہیں۔ کہیں استغفار کی اہمیت ذہن نشین کرائی جا رہی ہے، کہیں جماعت کو ایک رنگ میں نصیحت کی جا رہی ہے، کہیں دوسرے رنگ میں نصائح ہو رہی ہیں۔ جس طرح ایک گلّہ بان اپنی بھیڑوں کے گلّہ پر ہر سمت اور ہر طرف نگاہ رکھتا ہے کہ کوئی اِدھر نہ بھٹک جائے اور کوئی اُدھر نہ بھٹک جائے اسی طرح یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضورؑ نے ہر قسم کی نیکیوں پر نگاہ رکھی ہوئی ہے اور گھیر گھیر کے حضورؑ نے انہیں ایک چھوٹی سی جگہ میں ہمارے لئے محفوظ کر دیا ہے۔ اور جب ملفوظات کی شکل میں یہ سب نیکیاں یکجائی طور پر ہمارے سامنے آتی ہیں تو ہم ان سے بڑا ہی لطف اُٹھاتے ہیں۔ یہ وہ بیش بہا خزانہ ہے جس سے ہماری نسلیں قیامت تک روحانی حظ اٹھاتی رہیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ملفوظات کی اشاعت ایک بڑا ضروری کام تھا۔ پہلے ایک جلد شائع ہوئی۔ پھر بہت سے دوستوں نے مزید جلدیں شائع کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ میری اپنی بڑی خواہش تھی کہ جلد تر تمام ملفوظات کی اشاعت کا انتظام ہو۔ مَیں سوچتا تھا کہ حضورؑ کے ملفوظات کا ایک چھوٹا سا حصّہ شائع ہوا ہے۔ ابھی ایک بہت بڑا حصّہ ایسا ہے جو تاحال کتابی شکل میں اشاعت پذیر نہیں ہوا، اسے بھی شائع ہونا چاہیئے۔ دوستوں کے ساتھ میری بھی آرزو تھی اور ہم نے شمس صاحب سے کہا کہ آپ اِس طرف توجہ دیں اور تمام کے تمام ملفوظات جلد شائع کرنے کا انتظام کریں۔ چنانچہ مزید جلدیں شائع ہونی شروع ہوئیں اور اب یہ پانچویں جلد شائع ہوئی ہے۔ خیال ہے کہ دس یا گیارہ جلدوں میں یہ ملفوظات مکمل ہوں گے۔ ہزارہا مسائل ہیں جو اِن میں آجاتے ہیں۔ بعض جگہ اثر و جذب میں ڈوبے ہوئے ایسے ایسے فقرے ہیں کہ ان میں سے ایک ہی فقرہ ایک سعید انسان کی کایا پلٹنے کے لئے کافی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہم ماہنامہ "انصار اللہ" میں بھی بعض اوقات چھوٹے چھوٹے فقرے شائع کرتے ہیں وہ اکثر و بیشتر انہی ملفوظات میں سے لئے جاتے ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ ہر اُس گھرانہ میں جس میں احمدیت کے ساتھ محبت اور اخلاص پایا جاتا ہے کتب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ ملفوظات کا موجود ہونا بھی از حد ضروری ہے۔ اِن سے بچے بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ چھوٹی عمر کے بچے جن کی عقل میں اتنی تیزی نہیں ہوتی بڑی بڑی کتابوں میں درج شدہ مضامین کو یکدم نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن ایک چھوٹی عمر کا بچّہ جو عبارت پڑھنی جانتا ہو وہ اِس قابل ہوتا ہے کہ ملفوظات کے ایک بڑے حصّہ کو سمجھ سکے اور دُرِّ ثمین اُردو سے فائدہ اُٹھا سکے۔ مَیں سمجھتا ہوں دُرِّ ثمین اُردو کا تو ہر بچّہ کے ہاتھ میں ہونا ضروری ہے اور ملفوظات کا ہر احمدی گھر میں موجود ہونا ضروری ہے۔ میرے نزدیک ملفوظات خریدنے والوں سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کے متعلق تحریک کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ جس طرح میرے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضورؑ کے کلام سے محبت کا جذبہ موجزن ہے مَیں یقین رکھتا ہوں کہ آپ میں سے ہر ایک کے دل میں حضور علیہ السلام اور حضورؑ کی بیش بہا کتب اور ارشادات سے محبت کا ایسا ہی جذبہ موجزن ہے لہٰذا مَیں آپ کے جذبۂ محبت کے پیشِ نظر تحریک کرنا نہیں بلکہ یہ اطلاع دینا چاہتا تھا کہ ملفوظات کی جلد پنجم شائع ہو گئی ہے دوست اسے یہاں سے حاصل کر کے جائیں ÷

ایمانِ کامل کے دو بلند مراتب

(مکرم پروفیسر شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے، قائد عمومی مجلس مرکزیہ)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں مومنوں کے ذکر میں فرماتا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ۔

(سورۃ الحدید)

جو لوگ خدا تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر صحیح معنی میں ایمان لاتے ہیں وہی خدا تعالیٰ کے نزدیک صدیق اور شہید ہوتے ہیں، وہ اس اجر کو پا لیتے ہیں جو اُن سے مخصوص ہے اور انہیں خدا کی معرفت کا نور حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر صدیق اور شہید مومنین کے بلند مراتب کا ذکر فرمایا ہے اس لئے ہمیں اس امر پر غور کرنا چاہیئے کہ صدیق اور شہید اپنے اندر کیا کیا خصوصیات رکھتے ہیں تاکہ ہمارے دل میں بھی ان کے رنگ میں رنگین ہونے کی تمنا اور تڑپ پیدا ہو۔

(۱)

صدیق مبالغہ کا صیغہ ہے جس سے مراد ہے ایک ایسا شخص جو صدق اور راستبازی میں فنا ہو اور بدرجہ اتم راستباز اور حق و صداقت کا عاشق صادق ہو۔ جب ایک شخص اس درجہ کو حاصل کر لیتا ہے وہ تمام راستبازیوں کا مجموعہ بن جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام صدیق کے کمالات کا فلسفہ و حقیقت بیان فرماتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"صدیق کے کمال کے حصول کا فلسفہ یہ ہے کہ جب وہ اپنی کمزوری اور ناداری کو دیکھ کر اپنی طاقت اور حیثیت کے مطابق اِیَّاكَ نَعْبُدُ کہتا اور صدق اختیار کرتا اور جھوٹ کو ترک کر دیتا ہے اور ہر قسم کے رجس اور پلیدی سے جو جھوٹ کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے دُور بھاگتا ہے۔ اور عہد کر لیتا ہے کہ کبھی جھوٹ نہ بولوں گا، جھوٹی گواہی نہ دوں گا اور نہ جذبۂ نفسانی کے رنگ میں کوئی جھوٹا کلام کروں گا۔ نہ لغو طور پر نہ کسبِ خیر اور دفعِ شر کے لئے یعنی کسی رنگ اور حالت میں بھی جھوٹ کو اختیار نہیں کروں گا۔ جب اس حد تک وعدہ کرتا ہے تو گویا اِیَّاكَ نَعْبُدُ

پر وہ ایک خاص عمل کرتا ہے اور اس کا وہ عمل اعلیٰ درجہ کی عبادت ہوتی ہے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ سے آگے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہے خواہ یہ اُس کے منہ سے نکلے یا نہ نکلے لیکن اللہ تعالیٰ جو مبدء الفیوض اور صدق اور راستی کا سرچشمہ ہے اس کو ضرور مدد دے گا اور صداقت کے اعلیٰ اصُول اور حقائق اُس پر کھول دے گا ...... پس جب وہ اُس صدق تک پہنچ جاتا ہے تب اُس کی آنکھ کھُلتی ہے اور اُسے ایک خاص بصیرت ملتی ہے جس سے معارفِ قرآنی اس پر کھُلنے لگتے ہیں۔ مَیں اس بات کے ماننے کے لئے کبھی بھی تیار نہیں ہوں کہ وہ شخص جو صدق سے محبت نہیں رکھتا اور راستبازی کو اپنا شعار نہیں بناتا وہ قرآن کریم کے معارف کو سمجھ بھی سکے۔ اِس لئے کہ اُس کے قلب کو اس سے مناسبت ہی نہیں کیونکہ یہ تو صدق کا چشمہ ہے اور اس سے وہی پی سکتا ہے جس کو صدق سے محبت ہو"

(ملفوظات جلد اول ص ۳۶۵، ص ۳۶۶)

صدّیقیت کا کمال حاصل ہونے پر ایک مومن پر قرآن شریف کے حقائق اور دقائق کھُلتے ہیں اور خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ یہ بلند مرتبہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی تائید سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر اس کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ اِس کے لئے جہاں تک اُس سے ہو سکے وہ تگ و دو اور جد و جہد کرے اور اِس طرح اپنے تئیں اس بلند مرتبہ کا اہل ثابت کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو **صدّیق** کا خطاب دیا ہے اس لئے ہمیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوانح حیات کا بغور مطالعہ کرنا چاہیئے تا ہمیں معلوم ہو کہ آپ کس درجہ صدق اور راستبازی میں فنا تھے اور تا ہمیں بھی اپنے اندر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صفات اور ان کی سی فطرت پیدا کرنے کی خواہش پیدا ہو۔

جب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دنوں تجارت کے لئے ملک شام گئے ہوئے تھے۔ آپ وہاں سے واپس آ رہے تھے تو راستہ میں انہیں مکہ کا ایک شخص ملا۔ اس سے پوچھا مکہ کی کوئی نئی بات؟۔ اس نے کہا نئی بات یہ ہے کہ تمہارے دوست محمدؐ نے نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس قدر اعتماد اور آپؐ کی راستبازی کا انہیں اس قدر یقین تھا کہ انہیں اس دعویٰ کو صحیح تسلیم کرنے کے لئے کسی مزید دلیل اور حجت کی ضرورت نہ تھی۔ وہ سیدھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ کیا آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ آپؐ نے اِس خیال سے کہ کہیں انہیں ٹھوکر نہ لگے اپنی صداقت کی دلیل دینا چاہی۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، میرے لئے صرف آپ کا یہ کہہ دینا کافی ہے کہ آپ خدا کے نبی ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں مَیں خدا کا نبی ہوں۔ اِس پر آپ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور پھر اس عہد کو عمر بھر نبھایا۔ یہ اِس بات کی دلیل تھی کہ آپ راستبازی اور صدق میں فنا اور بدرجہ اتم حق و صداقت کے عاشقِ صادق تھے۔ عمر بھر ہر کٹھن منزل اور مشکل میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ چنانچہ جب قریش مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو اُس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضور کا ساتھ دیا اور آپؐ کی رفاقت اختیار کی یہ جانتے ہوئے کہ آپؐ کی رفاقت میں انہیں بھی آپؐ کی طرح قدم قدم پر موت کا سامنا کرنا ہوگا۔ یہ وفاداری، یہ طاقت اور یہ ہمت صدقِ ایمان کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اِس مصیبت کی گھڑی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی پر پڑی جو ان کی وفا شعاری کی دلیل تھی۔ نبی خدا کی آنکھ سے دیکھتا ہے، آپؐ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دل کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے جذبات سے واقف تھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفاداری، راستبازی اور ایمانداری کو جانتے تھے۔ غرضیکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس مشکل وقت اور عسرت میں آپؐ کا ساتھ دیا۔ یہ وقت خطرناک آزمائش کا وقت تھا حضرت مسیح علیہ السلام کے حواری ایک ایسے ہی وقت میں ان کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ مگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپؐ کی رفاقت کا حق ادا کیا اور دوستی اور وفاداری کا عہد نبھایا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور میں تشریف لے گئے تو شریر کفار آپؐ کو تلاش کرتے ہوئے غار کے منہ تک جا پہنچے۔ اُسوقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کچھ گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہوئے اپنے لئے نہیں بلکہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کیونکہ اگر خدانخواستہ دشمن آپؐ کو گزند پہنچانے میں کامیاب ہو جاتا تو اسلام مٹ جاتا۔ یہ گھبراہٹ کے آثار دیکھ کر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ اللہ اللہ کس قدر بلند مرتبہ تھا صدیق اکبرؓ کا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا گھبراؤ نہیں جس طرح خدا میرے ساتھ ہے اسی طرح خدا تمہارے ساتھ بھی ہے اور وہ میری طرح تمہاری بھی حفاظت کرے گا جو اُن کے علوِ مرتبت اور بلند شان کی دلیل ہے۔ اُمتِ مسلمہ میں سے اس مشکل گھڑی میں حضور کی جسمانی معیت کا فخر اور کسے حاصل ہوا؟

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے صدق، وفا شعاری اور راستبازی کا نمونہ ایک اُس وقت ظاہر ہوا جبکہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی۔ یہ وقت بڑا ہی مشکل وقت تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اُسوقت یہ حالت تھی کہ وہ تلوار کھینچ کر نکل کھڑے ہوئے کہ اگر کوئی کہے گا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں تو وہ اُسے قتل کر دیں گے۔ اُس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بڑی جرأت اور دلیری سے کام لیا۔ آپ کھڑے ہو گئے اور خطبہ میں فرمایا کہ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک رسول ہی ہیں اور جس قدر ان سے پہلے رسول گزرے سب وفات پا چکے ہیں پھر اگر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اِس دنیا سے رحلت فرما گئے ہیں تو کیا ہوا۔ اِس پر وہ جوش فرد ہوا۔ اس کے بعد اعراب مرتد ہو گئے۔ ایسے نازک وقت کی کیفیت بیان کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اُس وقت بعض جھوٹے نبی پیدا ہو گئے اور بعضوں نے نماز چھوڑ دی۔ اِس مصیبت میں میرا

باپ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہؤا۔ میرے باپ پر ایسے ایسے غم آئے کہ اگر پہاڑوں پر آتے تو وہ بھی نابود ہوجاتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اسی ہمت اور شجاعت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"غور کرو کہ مشکلات کے پہاڑ ٹوٹنے پر بھی ہمت اور حوصلہ کو نہ چھوڑنا یہ کسی معمولی انسان کا کام نہیں۔ یہ استقامت صدق ہی کو چاہتی ہے اور صدیق نے ہی دکھائی۔ ممکن نہ تھا کہ کوئی دوسرا اس خطرہ کو سنبھال سکتا۔" (ملفوظات جلد اوّل ص ۳۷۹)

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مردانہ وار ان حالات کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا اور یہ اُن کا صدق ہی تھا جس سے آپ نے اس فتنہ کو فرو کیا اور حالات پر قابو پایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"صدیق رضی اللہ عنہ نبیؐ کا ہمسایہ تھا۔ آپؐ کے اخلاق کا اثر اس پر پڑا تھا اور دل نورِ یقین سے بھرا ہؤا تھا اس لئے وہ شجاعت اور استقلال دکھایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسکی نظیر ملنی مشکل ہے ..... میں سچ کہتا ہوں کہ ابوبکر صدیقؓ اس اسلام کے لئے آدم ثانی ہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکرؓ کا وجود نہ ہوتا تو اسلام بھی نہ ہوتا۔ ابوبکر صدیقؓ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اُس نے اسلام کو دوبارہ قائم کیا۔" (ملفوظات جلد اوّل ص ۳۸۱)

(۲)

متذکرۃ الصدر آیت میں اللہ تعالیٰ نے صدیقوں کے ساتھ شہداء کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ شہید کی حقیقت بیان فرماتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"وہ ایک کیفیت ہے جس کا تعلق دل سے ہے۔ یاد رکھو کہ صدیق نبی سے ایک قرب رکھتا ہے اور وہ اُس سے دوسرے درجہ پر ہوتا ہے اور شہید صدیق کا ہمسایہ ہوتا ہے... جب انسان خدا تعالیٰ سے قوت پاکر اس مقامِ شہید پر پہنچتا ہے تو اس کو ایسی طاقت اور استقامت دی جاتی ہے کہ ایسے اعمالِ صالحہ میں کوئی تکلیف محسوس ہی نہیں ہوتی گویا وہ ان اعمال پر سوار ہوتا ہے... شہید اُسی وقت کسی شخص کو کہیں گے جب اسکی قوتِ ایمانی اُس سے وہ فعل دکھائے کہ آرام سے ان افعال کا صدور ہو۔ جیسے پانی اُوپر سے نیچے گرتا ہے اسی طرح پر شہید سے اعمالِ صالحہ کا صدور ہوتا ہے۔ شہید اللہ تعالیٰ کو گویا دیکھتا ہے اور اُس کی طاقتوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ جب یہ مقام کامل درجہ پر پہنچے تو یہ ایک نشان ہوتا ہے۔" (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۲۸۳ تا ۲۸۶)

پس ایک شہید عبادات بجالاتا ہے تکلّف اور تکلیف سے نہیں بلکہ ذوق و شوق سے۔ اور خدا تعالیٰ کی خاطر سختیاں برداشت کرتا ہے سختی سمجھ کر نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے انعام سمجھ کر۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی صدیقین اور شہداء کے نقشِ قدم پر چلنے اور اُن کے رنگ میں رنگین ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ❊

نظامِ خلافت کی اہمیت

(مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔ اے)

(۱)

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے :۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ۔ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ۔

(النور آیت ۳۶)

اللہ تعالیٰ آسمانوں کا بھی نور ہے اور زمین کا بھی۔ اُس کے نور کی کیفیت یہ ہے جیسے کہ ایک طاق ہو جس میں ایک دیا پڑا ہو (اور وہ) دیا ایک شیشے کی چمنی کے اندر ہو۔

مندرجہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا دارومدار اللہ تعالیٰ پر ہی ہے۔ وہ زمین و آسمان کا نور ہے۔ اُس کے نور کے مخصوص اور نمایاں اظہار کی صورت یہ ہے کہ وہ نبوت کے شیشے کے ذریعہ سے ظاہر ہو اور اس شیشے کے پیچھے ایک طاقچہ ہو۔ طاقچے کی تمثیل بیٹری کے ری فلیکٹر سے واضح ہو جاتی ہے ٹارچ کے پیچھے جو (reflecter) ری فلیکٹر ہوتا ہے وہ روشنی کو ایک مخصوص رُخ پر موڑ دیتا ہے اور منتشر ہونے نہیں دیتا اور پھر زیادہ سے زیادہ آگے تک اور دُور فاصلے تک لیجاتا ہے۔ خلافت نبوت کے لئے بمنزلہ اسی طاقچے یا ری فلیکٹر کے ہے جو نورِ نبوت کو ممتد کرتا چلا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے انبیاء مجسّم نور ہوتے ہیں لیکن اُن کا جسمانی وجود بہر حال ایک فانی وجود ہوتا ہے۔ اُن کی شخصی زندگی محدود ہوتی ہے لیکن خلافت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ انبیاء کی قومی زندگی کو دُور تک ممتد کر دیتا ہے اور ایک لمبے عرصہ تک دنیا انوارِ نبوت سے مستفیض ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

مَا کَانَتِ النُّبُوَّۃُ قَطُّ اِلَّا تَبِعَتْھَا خِلَافَۃٌ

(کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۹۔ خصائص کبری للسیوطی)

جب بھی دنیا میں نبوت قائم ہوئی ہے اس کے بعد خلافت آئی ہے۔

ٹارچ کے پیچھے ری فلیکٹر ہوتا ہے اس کے دو کام ہیں۔ اوّل روشنی کو دُور فاصلے تک لیجانا، دوسرے روشنی کو منتشر ہونے سے بچا کر ایک خاص رُخ پر موڑ دینا۔ یہی کام خلافت کا ہے۔ خلافت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نبی کے وجود باجود کو قومی زندگی عطا کرتا ہے اور دنیا لمبے عرصے تک انوارِ نبوت سے مستفید ہوتی رہتی ہے۔ پھر خلافت قوم کی طاقت اور

انرجی کو منتشر ہونے سے بچاتی ہے اور ضرورت کے مطابق مخصوص اطراف میں موڑتی رہتی ہے۔ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:۔

"نبوّت میں آکر یہ نُور (یعنی الٰہی نُور۔ ناقل) مکمّل تو ہوجاتا ہے لیکن اس کا زمانہ پھر بھی محدود ہوتا ہے کیونکہ نبی بھی موت سے محفوظ نہیں ہوتے۔ پس اس روشنی کو دُور تک پہنچانے کے لئے اور زیادہ دیر تک قائم رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ کوئی اور تدبیر کی جاتی۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ایک ری فلیکٹر بنایا جس کا نام خلافت ہے۔ جس طرح طاقچہ تین طرف سے روشنی کو روک کر صرف اُس جہت میں ڈالتا ہے جدھر اُس کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح خلفاء نبی کی قوّتِ قدسیہ کو جو اُکی جماعت میں ظاہر ہو رہی ہوتی ہے ضائع ہونے سے بچا کر ایک خاص پروگرام کے ماتحت استعمال کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں جماعت کی طاقتیں پراگندہ نہیں ہوتیں اور تھوڑی سی طاقت سے بہت سے کام نکل آتے ہیں کیونکہ طاقت کا کوئی حصّہ ضائع نہیں ہوتا۔ اگر خلافت نہ ہوتی تو بعض کاموں پر تو زیادہ طاقت خرچ ہو جاتی اور بعض کام توجہ کے بغیر رہ جاتے اور تفرقہ اور شقاق کی وجہ سے کسی نظام کے ماتحت جماعت کا روپیہ اور اس کا علم اور اس کا وقت خرچ نہ ہوتا۔ غرض خلافت کے ذریعہ سے الٰہی نور کو جو نبوّت کے ذریعہ مکمّل ہوتا ہے ممتد اور لمبا کر دیا جاتا ہے۔" (تفسیر کبیر تفسیر سورۃ نور)

اس کے مطابق ہم دیکھتے ہیں کہ فیضانِ خداوندی، تائیداتِ سماویہ، معجزانہ تجلّیات جس طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمانوں کے شاملِ حال تھیں اُسی طرح خلفائے راشدین کے زمانوں میں رہیں۔ خلافت راشدہ کے ذریعہ برکاتِ نبوّت تیس سال تک مزید جاری رہیں لیکن چونکہ مسلمانوں نے خلافت کی اہمیت کو نہ سمجھا اور اس کو قائم و دائم رکھنے کی طرف توجہ نہیں کی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس انعام کو واپس لے لیا۔ خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ کے اس تیس۳۰ سالہ دَور کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی خلافت مجدّدیت کے رنگ میں جاری ہوئی "پس خلافت ایک الٰہی انعام ہے، کوئی نہیں جو اس میں روک بن سکے۔ وہ خدا تعالیٰ کے نور کے قیام کا ایک ذریعہ ہے۔ جو اس کو مٹانا چاہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نور کو مٹانا چاہتا ہے۔ ہاں وہ ایک وعدہ ہے جو پورا تو ضرور کیا جاتا ہے لیکن اسکے زمانہ کی لمبائی مومنوں کے اخلاص کے ساتھ وابستہ ہے۔" (اقتباس از تفسیر کبیر تفسیر سورۃ نور)

(۲)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ خلفاء کو ہم مقرر کرتے ہیں۔ پس خلافت وہ بابرکت نظام ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے قائم کیا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے تصرّف کی مخفی تاریں مومنوں کے دلوں کو منشاءِ خداوندی کی طرف پھیر دیتی ہیں۔ اور پھر آیتِ استخلاف کے مطابق اللہ تعالیٰ کی پے درپے تائیدات و نشانات اس خلافت کے خلافتِ حقّہ ہونے پر

مُہر لگا دیتا ہیں۔ اِس خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم ہونے کے علاوہ ایک اَور اہم نشان یہ بھی ہے کہ مامور کی وفات کے بعد اس کے مقدّس ہاتھوں سے تیار شدہ جماعت کو من حیث الجماعت کام اور ذمہ داری کے لحاظ سے خلافت عطا کی جاتی ہے، اُس جماعت کو اللہ تعالیٰ عزّت کا یہ مقام عطا فرماتا ہے کہ اپنے خلفاء کا انتخاب اس جماعت کے ذریعہ سے کرواتا ہے۔ گویا وہ جماعت روحانی طور پر اس کے قابل ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخفی تجلیات و تصرّفات کی مورد بنے۔ خلیفۂ وقت اس جماعت کے لئے بمنزلہ دل و دماغ کے ہوتا ہے اور باقی جماعت کے اراکین اس دل و دماغ کے لئے بمنزلہ جوارح کے ہوتے ہیں۔ گویا وہ جماعت اپنے خلیفہ سمیت اس اسلامی معاشرہ کو پیش کرتی ہے جس کے متعلق حدیث نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مومنوں کی مثال جسم انسانی کی مثال ہے۔

پس اگر کسی جماعت میں خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ قائم ہے تو یہ اس امر کی علامت ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی برگزیدہ جماعت ہے اور اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کے مطابق خلافت کی ذمہ واریوں میں اُس کے تمام مخلص اراکین علیٰ حسب مراتب شریک ہیں۔ اور اپنی اپنی نیّت اور عمل کے مطابق اللہ تعالیٰ سے اجر پاتے ہیں۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ میں خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ کو قائم فرمایا ہے۔ نظام کے لحاظ سے ہمارا ایک واجب الاطاعت امام ہے جو جماعت کے روحانی جسم کے لئے بمنزلہ دل و دماغ کے ہے۔ لیکن کام اور ذمہ داری کے لحاظ سے اِس جماعت کا ہر مخلص رکن جو سچّا احمدی ہے اپنے اپنے رنگ میں ظلّی طور پر خلیفۃ المسیح ہے اور اس سے قیامت کے دن اپنے اس مقام کے متعلق پوچھا جائے گا۔ پس دیکھئے کتنا عظیم الشان اعزاز ہے جو خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ کے ذریعہ جماعتِ مُسلمہ کو ملتا ہے کہ وہ کام اور ذمہ داری کے لحاظ سے رسالت و نبوّت کے کام اور مشن کی تکمیل میں شریک کئے جاتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ:۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝

ہم نے تم سب جانشین بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم اپنی اس ذمہ داری کو کس طرح ادا کرتے ہو۔

پس ہمارے لئے خلافت کی ایک عظیم اہمیت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے اس جماعت کا ہر مخلص فرد خدا تعالیٰ کے مامور و مرسل کے مشن میں حصہ دار سمجھا جاتا ہے اور جماعت کو اللہ تعالیٰ کے حضور یہ مقامِ عزّت حاصل ہے کہ خلیفۃ اللہ کا انتخاب اس جماعت کے ذریعہ سے کروایا جاتا ہے اور مومنوں کے قلوب اللہ تعالیٰ کے الہامِ خفی کے مورد بنتے ہیں۔ ہاں جب شامت اعمال سے قوم اِس مقام سے نیچے گر جاتی ہے تب اللہ تعالیٰ یہ اعزاز اُن سے چھین لیتا ہے اور اس کے بعد روحانی خلفاء ماموریں کی طرح براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھڑے کئے جاتے ہیں۔ اِسی کو خلافتِ مجدّدیت کہتے ہیں مگر خلافتِ مجدّدیت کا مقام خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ سے نیچے اور اسکے بعد ہے۔ خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ کے ایام میں خلیفۂ وقت گویا رئیس المجدّدین ہوتا ہے اور اس کے تمام مخلص نائبین

مجدّدین کے رنگ میں ہوتے ہیں اور اُن کے ہاتھ سے دین کی تجدید کا کام جاری رکھا جاتا ہے۔ وہ اپنے کاموں کے لحاظ سے بعد میں آنے والے اور مجدّد کا نام پانے والے مجدّدین سے کم نہیں ہوتے لیکن شمسِ خلافت کی شعاعوں کے سامنے یہ ستارے ماند نظر آتے ہیں اور اتنے نمایاں نہیں ہوتے لیکن شمسِ خلافت کے غروب ہوتے کے بعد اسی قسم کے لوگ تاریکی کے زمانے میں مجدّد، قطب، غوث ایسے عظیم القاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم میں شمسِ خلافت موجود ہے اور اُس کے مخلص خدام ستاروں کی طرح اس کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔

آجکل کئی ذہنوں میں یہ سوال اُبھرتا ہے کہ چودھویں صدی کا اخیر قریب آرہا ہے۔ کیا اِس صدی کے آخر میں بھی مجدّد قائم کیا جائے گا؟ اِس کا جواب یہی ہے کہ الصادق المصدوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر غلط کیسے ہوسکتی ہے، ضرور ہوگا لیکن حدیث سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر صدی کے شروع میں یا اخیر پہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید یافتہ کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے حکمِ شرعی یا حکمِ تکوینی سے تجدید و خدمتِ اسلام کے لئے موجود ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ عام مجدّدین سے بالا مقام رکھنے والا شخص بھی مجدّد ضرور کہلائے گا۔ اگر کسی صدی کے سر پہ کوئی نبی مبعوث ہوجائے تو وہی اس صدی کا مجدّد ہوگا۔ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں نبوّت کے بعد خلافتِ راشدہ متصلہ یا خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ کا مقام و مرتبہ عام مجدّدیت سے یقیناً بلند و بالا ہے۔ اِس صدی کے سر پر خلیفۂ وقت ہی نہ صرف مجدّد بلکہ رئیس المجدّدین ہوگا کیونکہ اس کے سچے معاونین و انصار بھی مجدّدین کے حکم میں ہی ہوں گے۔ ایک وقت میں مجدّد کئی ہوسکتے ہیں لیکن خلیفہ اور امام ایک ہی ہوسکتا ہے۔

پس خلافتِ راشدہ متصلہ بعد از نبوّت کا مقام اور اہمیت نبوّت کے بعد دوسرے نمبر پر ہے اور نبوّت کے بعد یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے بڑا انعام ہے۔ اِس انعام کے خاتمے پر ہی پھر عام مجدّدین والی خلافت شروع ہوتی ہے۔

(۳)

قرآن کریم کی آیتِ استخلاف میں خلافتِ اسلامیہ کی موعود علامات و تائیدات الٰہیہ کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:-

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (النور آیت ۵۷)	تم سب (اس خلافتِ موعودہ اسلامیہ کے ذریعہ سے) نمازوں کو قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور اِس رسول مقبول کی اطاعت کرو تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے مورد بنو۔

اِس میں خلافت کی اِس اہمیت کو نمایاں کیا گیا ہے کہ اقامتِ صلوٰۃ، ادائیگی زکوٰۃ اور اطاعتِ رسول خلافت کے بغیر در اصل حقیقی طور پر ہو ہی نہیں سکتیں۔

اقامتِ صلوٰۃ کی رُوح یہ ہے کہ اپنی عبادت اور بندگی میں بھی ایک اجتماعیت پیدا کرکے ایک تیز رفتار Current کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حضور لایا جائے۔ اور جب سارے مسلمان ایک ہاتھ پر جمع ہوں اور ایک امام کے تابع ہوں اسی وقت ہی ایسا ہونا ممکن ہے۔ جب جماعت کا شیرازہ بکھر جائے اور وہ ایک امام کے تابع نہ رہے تو وہی دریا جو ایک تیز رفتار رَو کی شکل میں بہہ رہا تھا کئی چھوٹی چھوٹی سُست رفتار ندیوں میں ختم ہو جاتا ہے اور اُس کے اندر وہ زور اور جوش باقی نہیں رہتا۔ ایک تیز رو بڑے بڑے محلات کو بھی بہا کر لے جاتی ہے بر خلاف اس کے سُست رفتار ندی بعض دفعہ ایک درخت کو بھی جڑ سے نہیں اُکھیڑ سکتی۔

اسی طرح اقامتِ صلوٰۃ کی انتہا نماز و خطبہ جمعہ ہے۔ خطبہ جمعہ میں دین کی ضروریات کی تفصیل بیان کرکے وعظ کیا جاتا ہے۔ ساری دنیا میں تربیتی و تبلیغی ضروریات کو تبھی پورا کیا جا سکتا ہے جب کہ ایک مرکزی نظام ہو جسے کُل دنیا کی ضروریات کا علم ہو۔ اس کے بغیر" پاکستان کی جماعتوں کو کیسے علم ہو سکتا ہے کہ چین اور جاپان اور دیگر ممالک میں اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں کیا ہو رہا ہے اور اسلام اُن سے کن قربانیوں کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اگر ایک مرکز ہوگا اور ایک خلیفہ ہوگا جو تمام مسلمانوں کے نزدیک واجب الاطاعت ہوگا تو اُسے اکنافِ عالم سے رپورٹیں پہنچتی رہیں گی کہ یہاں یہ ہو رہا ہے اور وہاں وہ ہو رہا ہے۔ اور اِس طرح وہ لوگوں کو بتا سکے گا کہ آج فلاں قسم کی قربانیوں کی ضرورت ہے اور آج فلاں قسم کی خدمات کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنے کی حاجت ہے۔ اسی لئے حنفیوں کا یہ فتویٰ ہے کہ جب تک مسلمانوں میں کوئی سلطان نہ ہو جمعہ پڑھنا جائز نہیں ..... جب خلافت کا نظام نہ رہے تو انفرادی رنگ میں کسی کو قومی ضرورتوں کا کیا علم ہو سکتا ہے اور وہ ان کو کس طرح اپنے خطبات میں بیان کر سکتا ہے۔ بلکہ بالکل ممکن ہے کہ حالات سے ناواقفیت کی وجہ سے وہ خود بھی دھوکہ میں مبتلا رہے اور دوسروں کو بھی دھوکہ میں مبتلا رکھے"۔ (اقتباس از تفسیر کبیر تفسیر سورۃ النور صفحہ ۳۶۸)

اسی طرح زکوٰۃ کی وصولی اور اس کی باقاعدہ تقسیم مرکزی نظام کے بغیر ممکن نہیں۔ "جب سے خلافت جاتی رہی مسلمانوں میں زکوٰۃ کی وصولی کا بھی کوئی انتظام نہ رہا اور یہی اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں فرمایا تھا کہ اگر خلافت کا نظام نہ ہو تو مسلمان زکوٰۃ کے حکم پر عمل ہی نہیں کر سکتے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ جیسا کہ اسلامی تعلیم کا منشاء ہے اُمراء سے لی جاتی ہے اور ایک نظام کے ماتحت غرباء کی ضروریات پر خرچ کی جاتی ہے۔ اب ایسا وہیں ہو سکتا ہے جہاں ایک باقاعدہ نظام ہو۔ اکیلا آدمی اگر چند غرباء میں زکوٰۃ کا روپیہ تقسیم بھی کر دے تو اس کے وہ خوشگوار نتائج کہاں نکل سکتے ہیں جو اس صورت میں نکل سکتے ہیں جبکہ زکوٰۃ ساری جماعت سے وصول کی جائے اور ساری جماعت کے غرباء میں تقسیم کی جائے"۔ (تفسیر کبیر صفحہ ۳۶۹)

اسی طرح حقیقی طور پر اطاعتِ رسول بھی خلافت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ پس جب بھی خلافت ہوگی اطاعتِ رسول بھی ہوگی کیونکہ اطاعتِ رسول یہ نہیں کہ نمازیں پڑھو یا روزے رکھو یا حج کرو۔ یہ تو خدا کے احکام کی اطاعت ہے۔ اطاعتِ

رسول یہ ہے کہ جب وہ کہے کہ اب نمازوں پر زور دینے کا وقت ہے تو سب لوگ نمازوں پر زور دینا شروع کر دیں اور جب وہ کہے کہ اب زکوٰۃ اور چندوں کی ضرورت ہے تو وہ زکوٰۃ اور چندوں پر زور دینا شروع کر دیں۔ اور جب وہ کہے کہ اب جانی قربانی کی ضرورت ہے یا وطن چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں جانے کی ضرورت ہے تو وہ جانیں قربان کرنے اور وطن چھوڑنے کے لئے تیار ہو جائیں" غرض یہ تین باتیں (اقامتِ نماز، ادائیگی زکوٰۃ، اطاعتِ رسولؐ۔ ناقل) ایسی ہیں جو خلافت کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ اگر خلافت نہ ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری نمازیں بھی جاتی رہیں گی، تمہاری زکوٰۃ بھی جاتی رہیگی اور تمہارے دل سے اطاعتِ رسول کا مادہ بھی جاتا رہے گا"۔ (اقتباس از تفسیر کبیر تفسیر سورۃ النور صلى ۳۶۹)

(۴)

اب خلاصۂ کلام یہ ہے کہ :-

۱- خلافتِ راشدہ متّصلہ بعد از نبوت اللہ تعالیٰ کے انبیاء کی قومی زندگی اور برکات رسالت و نبوت کے لمبے عرصے تک ممتد کئے جانے کا نام ہے۔ یعنی زمانۂ خلافت میں اللہ تعالیٰ کی تائیدات اور نشانات کی بارشیں زمانۂ نبوت کی طرح برستی رہتی ہیں۔

۲- خلافتِ راشدہ متّصلہ اس بات کی علامت ہے کہ نبی نے اپنی قوتِ قدسی سے قدسیوں کی ایک جماعت پیدا کر دی ہے جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں عزت کا مقام رکھتی ہے اور خدا تعالیٰ اپنے خلفاء کا تقرر اس جماعت کے دلوں پر الہام کر کے بالواسطہ کرواتا ہے اور مومنوں کے انتخاب کو اپنی قبولیت سے نوازتا ہے۔

۳- خلافت کے ذریعہ ہی حقیقی طور پر اقامتِ صلوٰۃ ہو سکتی ہے، زکوٰۃ کا نظام بھی خلافت کے نظام پر ہی منحصر ہے اطاعتِ رسول بھی حقیقی طور پر خلفاء کی اطاعت کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے۔

خوش قسمت ہے وہ جماعت جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بابرکت نظام جاری فرمایا ہو۔ اس جماعت کے اراکین کا فرض ہے کہ خلافت کی اہمیت و افادیت پر ایمان رکھیں اور خلافت کو قائم و دائم رکھنے کے لئے اعمال بجالاتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اور بدقسمت ہیں وہ افراد جو خلافتِ حقہ کا انکار کر کے فاسقین کے زمرہ میں شامل ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ یعنی جو خلافتِ حقہ کے قیام کے بعد انکار کرے گا وہ فاسق ہوگا۔

وَاٰخِرُ کَلِمِنَا حَمْدٌ وَّ شُکْرٌ
لِرَبٍّ مُحْسِنٍ ذِی الْاِمْتِنَانِ

مغربی ممالک میں اباحتی زندگی کا دلدوز منظر

معصیت نواز معاشرہ کی گھناؤنی صورتِ حال

انگلستان کے مشہور عیسائی رسالہ "ورلڈ کرسچین ڈائجسٹ" کی نومبر ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں امریکہ کے شہرۂ آفاق عیسائی منّاد ڈاکٹر بلی گراہم کا ایک مضمون بعنوان "I do have a social Gospel" شائع ہوا تھا۔ اس میں انہوں نے روحانی نقطۂ نگاہ سے اہلِ امریکہ کی ناگفتہ بہ حالت پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنی بیوی کا ایک قول بھی درج کیا تھا۔ وہ قول جیسا کہ ہم اپریل ۱۹۶۳ء کے ماہنامہ "انصار اللہ" میں اسے قبل ازیں شائع کر چکے ہیں۔ خود ڈاکٹر بلی گراہم کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:۔

"عوام کا جنسی شغف اس درجہ بڑھ چکا ہے کہ قومِ لوط کی بستیوں سدوم اور عمورہ کی یاد تازہ ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ کچھ عرصہ ہوا میری بیوی نے کہا تھا کہ اگر خدا نے امریکہ کے بارہ میں اپنا فیصلہ صادر نہ کیا تو اسے سدوم اور عمورہ کی بستیوں سے معذرت کرنا پڑے گی" (یاد رہے اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کے زمانہ میں ان بستیوں کو گناہوں کی بے انتہا کثرت کے باعث گندھک اور آگ کے عذاب کے ذریعہ نیست و نابود کر دیا تھا۔ ناقل)

ڈاکٹر بلی گراہم نے اپنے مذکورہ بالا مضمون میں امریکہ کے معصیت نواز معاشرہ کے متعلق کچھ اشارے بھی کئے تھے لیکن وہ اتنے خفیف تھے کہ ان سے یہ ظاہر نہ ہوتا تھا کہ صورتِ حال انتہائی نازک صورت اختیار کر چکی ہے۔ اُن کے اس مضمون کے بعد امریکہ کے مشہور ماہوار رسالہ "میک کالز" (Mc Calls) میں "فلورنس کری ٹنٹن ایسوسی ایشن آف امریکہ" (Florence Crittenton Association of America) کی ایگزیکیوٹو ڈائرکٹر میری لوئی ایلن (Mary Louse Allen) کا ایک تفصیلی مضمون شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے امریکہ میں بڑھتی ہوئی فحاشی اور اس کے ہولناک نتائج و عواقب پر سے پردہ اُٹھا کر قوم کے ضمیر کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس مضمون میں امریکی معاشرہ کے جس پہلو کو بے نقاب کیا گیا ہے وہ حد درجہ بھیانک، لرزہ خیز اور عبرت انگیز ہے۔ اس کے مطالعہ سے یہ حقیقت منکشف ہوئے بغیر نہیں رہتی کہ اللہ تعالیٰ جب کسی نافرمان قوم کو سزا کے طور پر

خوشحالی کے فتنہ میں مبتلا کر کے اسے ڈھیل دینے کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ عقل و خرد، دانشمندی و دانشوری اور مادی ترقی و عروج کے باوجود اخلاقی پستی کا شکار ہو کر رفتہ رفتہ تحت الثریٰ میں جا گرتی ہے اور اسکے افراد اسفل السافلین میں شمار ہونے لگتے ہیں۔ پھر اس مضمون کے مطالعہ سے وہ وجوہات بھی پوری طرح منظرِ عام پر آجاتی ہیں جنہوں نے مسز بلی گراہم کو انتہائی حسرت و یاس کے عالم میں یہ کہنے پر مجبور کر دیا تھا کہ اگر آج خدا نے امریکہ کے بارہ میں اپنا فیصلہ صادر نہ کیا تو اسے سدوم اور عمورہ کی بستیوں سے معذرت کرنا پڑے گی۔ ہر چند کہ میٹری لوئی ایلن نے جس صورتِ حال کی نشاندہی کی ہے وہ بہت گھناؤنی اور بھیانک ہے تاہم وہ عبرتناک ہونے کے علاوہ ایک خدائی نشان کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے ہم اس کے بعض حصوں کا ترجمہ ذیل میں درج کر کے اس خدائی نشان پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ہمارا مقصد حصولِ عبرت کی خاطر محض اظہارِ حقیقت ہے نہ کہ دوسروں کے عیوب کو اجاگر کر کے انکی تضحیک۔

قبل اسکے کہ ہم مقالہ مذکورہ کے بعض اقتباسات پیش کریں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ "میک کالز" جس میں میٹری لوئی ایلن کا مقالہ شائع ہوا ہے امریکی خواتین کا نہایت مشہور و معروف رسالہ ہے جسکی ماہوار اشاعت ۸۰ لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔ اور "فلورنس کری ٹنٹن ایسوسی ایشن آف امریکہ" جسکی وہ ڈائرکٹر ہیں سماجی بہبود کا وہ وسیع ترین امریکی ادارہ ہے جو بیک وقت امریکہ کا کم و بیش تیس ہسپتالوں میں غیر شادی شدہ ماؤں کی دیکھ بھال اور انہیں طبی امداد بہم پہنچانے کے نصف صد کے قریب مراکز چلا رہا ہے۔ اس طرح یہ ادارہ امریکہ بھر میں بیک وقت آٹھ ہزار ماؤں کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ میٹری لوئی ایلن کے مضمون کا (جو "میک کالز" کی نومبر ۱۹۶۳ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا) عنوان یہ ہے کہ —— "ہم امریکہ کی غیر شادی شدہ نوعمر ماؤں کے بارہ میں اصلاحِ احوال کے طور پر کیا کر سکتے ہیں" —— انہوں نے اپنے مضمون کا آغاز اِن الفاظ سے کیا ہے :۔

"ہم سب امریکی والدین اور امریکی بچے ایک زلزلہ انگیز دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہیں ہماری یہ دنیا (قومی جذبہ کے لحاظ سے) اندرونی طور پر تو باہم اتحاد و یگانگت کی آئینہ دار ہے لیکن بیرونی طور پر ایک بہت وسیع تباہی و بربادی اس کے سر پر منڈلا رہی ہے۔"

اس کے بعد وہ ایک درد انگیز صورتِ حال پر سے پردہ اُٹھاتی ہوئی لکھتی ہیں :۔

"تازہ ترین اعداد و شمار کی رُو سے (جن کا اندراج سرکاری طور پر عمل میں آیا ہے) سنہ ۶۱ء کے دوران ہر عمر کی غیر شادی شدہ امریکی ماؤں نے اڑھائی لاکھ بچے جنے۔ بلاشبہ یہ اعداد و شمار اصل صورتِ حال کے آئینہ دار نہیں ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ بہت سی غیر شادی شدہ مائیں اپنے آپکو شادی شدہ ظاہر کر کے فرضی ناموں سے کسی نہ کسی زچگی وارڈ میں داخلہ لے لیتی ہیں۔ پھر بہت سی مطلقہ اور بیوہ عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو اپنے ناجائز بچوں کو اپنے سابقہ خاوندوں کی طرف منسوب کر کے اپنے کئے پر پردہ ڈالنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ تاہم جو اعداد و شمار سرکاری طور پر دستیاب ہوئے ہیں انہی پر حصر کرتے ہوئے ہماری معلومات یہ ہیں کہ سنہ ۱۹۶۱ء میں (ان اڑھائی لاکھ ناجائز بچوں میں سے) "نامعلوم باپوں" کے

۹۱،۷۰۰ بچے ایسے تھے جو تیرہ سے انیس سال کی عمر کی ماؤں کے ہاں پیدا ہوئے اور یقیناً اگلے دو سالوں یعنی ۱۹۶۱ء اور ۱۹۶۲ء میں اس سے بھی زیادہ تعداد میں اِس عمر کی ماؤں کے ہاں ناجائز ولادتیں ہوئیں۔ اب چونکہ ہماری آبادی میں فی زمانہ تیرہ سے انیس سال کی عمر کے بچوں کی تعداد بے پناہ بڑھ چکی ہے یہ امر ناگزیر ہے کہ بچے جننے والی غیر شادی شدہ ماؤں کی تعداد سال بہ سال حشرات الارض کی طرح بڑھتی چلی جائے گی۔"

جیسا کہ میری لوئی ایلن نے خود اِس امر کو تسلیم کیا ہے اڑھائی لاکھ کی یہ تعداد اصل تعداد کے مقابلہ میں بہت کم ہے کیونکہ ایسی عورتوں کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہوتی ہے جو اپنے آپکو شادی شدہ ظاہر کر کے اپنے جرم پر پردہ ڈالنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ اِس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امریکہ میں ناجائز جنسی اختلاط کی شکل میں فحاشی کس قدر وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی ہے کیونکہ یہ اعداد و شمار تو صرف اُن عورتوں کے ہیں جن کے ہاں برتھ کنٹرول کے متعدد طریقوں اور اسی قسم کی دوسری احتیاطوں کے باوجود حمل ٹھہر جاتا ہے ورنہ ایسی عورتوں کی تعداد جو ناجائز طور پر شادی سے قبل ہی جنسی اختلاط کی عادی ہوتی ہیں حدِ شمار سے باہر ہے۔ چنانچہ میری لوئی ایلن نے اپنے مضمون میں تسلیم کیا ہے کہ امریکی عورتوں میں سے چالیس سے ۶۰ فیصدی تک ایسی عورتیں ہوتی ہیں جو شادی سے قبل ہی جنسی اختلاط شروع کر دیتی ہیں۔ وہ لکھتی ہیں:-

"غور طلب امر یہ ہے کہ یہ غیر شادی شدہ مائیں کون ہیں اور کہاں سے آتی ہیں؟ یہ ایک بہت بڑے گروہ کا صرف ایک حصہ ہوتی ہیں انہیں ہم کُل کے ایک کوتاہ قسمت جزو سے تعبیر کر سکتے ہیں اِس لئے کہ یہ بیچاریاں اُن کثیر التعداد عورتوں میں سے جو شادی سے قبل ہی جنسی اختلاط شروع کر دیتی ہیں اپنی شومیٔ قسمت سے منظرِ عام پر آ جاتی ہیں۔ عورتوں کا یہ طبقہ مختلف جائزوں کی رُو سے امریکی خواتین کی مجموعی آبادی کا ۴۰ سے ۶۰ فی صد شمار کیا گیا ہے۔ اِن میں سے ایک بہت بڑی اکثریت حمل کی نوبت ہی نہیں آنے دیتی، پھر جو حاملہ ہو بھی جاتی ہیں اُن میں سے بہت سی متوقع ولادت کو جائز ظاہر کرنے کے لئے فی الفور شادی کر لیتی ہیں۔ اور بہت سی حمل گرا کر بے فکر ہو جاتی ہیں۔"

اِس انتہائی افسوسناک صورتِ حال کا اور بھی زیادہ گھناؤنا پہلو یہ ہے کہ چھوٹی بچیاں بھی سنِ بلوغ کو پہنچتے ہی اِس میں ملوّث ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اِس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ رقمطراز ہیں:-

"اِن لڑکیوں میں سے ہزاروں لڑکیاں اپنی عمر کے لحاظ سے اتنی چھوٹی ہوتی ہیں کہ وہ نوعمر بچیاں ہی کہلا سکتی ہیں نہ کہ جوان لڑکیاں۔ غیر شادی شدہ ماؤں کے زچہ خانوں میں سے قریباً ہر زچہ خانہ میں گیارہ گیارہ، بارہ بارہ، تیرہ تیرہ سال کی نوخیز بچیاں اپنے ایامِ حمل اِس حال میں گزارتی ہیں کہ انہوں نے اپنی گڑیاں اپنے ہاتھوں میں اٹھائی ہوئی ہوتی ہیں اور جب ماں ہونے کا تجربہ حاصل کرنے کے بعد یہ اپنی سابقہ زندگی کی طرف لوٹتی ہیں تو ابھی تک اپنے کھلونوں سے کھیل رہی ہوتی ہیں۔"

غور کا مقام ہے کہ جس معصیت نواز معاشرہ میں زنا اتنا عام ہو کہ ملک کی چالیس سے ساٹھ فیصد عورتیں اور اتنی ہی تعداد

ہیں مرد اس میں ملوث ہوں اور ان کے دن رات بے محابا اسی معصیت میں گزر رہے ہوں اس کے متعلق اگر مسٹر بلی گراہم یہ نہ کہیں تو اور کیا کہیں کہ قوم لوط کی طرح اہل امریکہ بھی گناہوں کی کثرت کے باعث عذاب الٰہی کے مستحق بن چکے ہیں۔

معاصی کی بے پناہ کثرت اور اس کے نتیجہ میں رونما ہونے والی یہ بھیانک صورت حال جس کے تصور سے ہی بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے نتیجہ ہے مغرب کی اس مادی تہذیب کا جسے وہاں کے عیسائی پادری آج سے کچھ عرصہ قبل تک عیسائی تہذیب قرار دینے میں فخر محسوس کیا کرتے تھے۔ ایک امریکہ ہی نہیں بلکہ کم و بیش تمام مغربی ممالک کا یہی حال ہے۔ وہاں لوگ مادی خوشحالی کے باعث سرتاپا فسق و فجور میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

اگر دیکھا جائے تو فساد کی اصل جڑ کفارہ کا وہ عقیدہ ہے جس پر مغربی تہذیب کی بنیاد ہے۔ جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ مسیح نے ہمارے تمام گناہ اٹھا لئے ہیں اور صلیب پر جان دیکر ہمارے اگلے اور پچھلے سب گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے اور یہ کہ نجات اعمال پر نہیں بلکہ کفارہ کو درست تسلیم کرنے پر موقوف ہے تو پھر لوگ نیک اعمال کیوں بجا لائیں اور کیوں نہ بے راہ روی کے طریقوں پر گامزن ہو کر سراسر اباحتی زندگی اختیار کریں۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آج سے ساٹھ سال قبل (جبکہ اہل مشرق مغرب کے سیاسی تفوق سے مرعوب ہو کر مغربی تہذیب اور اس کی دلآویز رنگینیوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس تہذیب کو اپنائے بغیر وہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو ہی نہیں سکتے) دنیا کو اس تہذیب کی تباہ کاریوں سے آگاہ فرما دیا تھا اور بتا دیا تھا کہ یہ تہذیب انسانوں کو حیوان بنا کر انہیں جہنم کی طرف لیجا رہی ہے۔ ۱۶ اگست ۱۹۰۲ء کی شام کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے اور انہیں علم و عرفان کی دولت سے مالا مال فرما رہے تھے۔ "رزق میں قبض و بسط" کے موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔ دوران گفتگو میں حضرت مولانا مولوی حکیم نور الدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لندن سے آمدہ ایک خط کا ذکر کیا۔ اس خط میں صاحب مکتوب نے لکھا تھا کہ لندن آکر دیکھو جنت عیسائیوں کو حاصل ہے یا مسلمانوں کو۔ اس خط کے مندرجات سے آگاہ ہو کر حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء نے فرمایا:۔

"یہ لوگ جو لندن جاتے ہیں وہاں جا کر دیکھتے ہیں کہ بڑی آزادی ہے شراب خوری کی اس قدر کثرت ہے کہ ۹۰ میل تک شراب کی دکانیں چلی جاتی ہیں، زنا اور غیر زنا میں کوئی فرق ہی نہیں۔ کیا یہ بہشت ہے؟۔ بہشت سے یہ مراد نہیں ہے۔ دیکھو انسان کی بھی بیوی ہے اور وہ تعلقات زوجیت رکھتا ہے۔ پرندوں اور حیوانوں میں بھی یہ تعلقات ہوتے ہیں۔ مگر انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک لطافت اور ادراک بخشا ہے۔ انسان جن حواس اور قویٰ کے ساتھ آیا ہے ان کے ساتھ وہ ان تعلقات زوجیت میں زیادہ لطف اور سرور حاصل کرتا ہے بمقابلہ حیوانات کے جو ایسے حواس اور ادراک نہیں رکھتے۔ اور اسی لئے وہ اپنے جوڑے کی کوئی رعایت نہیں رکھتے جیسے کتے۔

پس اگر انسان بھی اِن حواس کے ساتھ سرور حاصل نہیں کر سکتے بلکہ حیوانات کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں پھر ان میں اور حیوانوں میں کیا فرق رہا۔ یہ جو فرمایا ہے کہ مومن کے لئے ہی جنت ہے یہ اس لئے فرمایا ہے کہ سچی راحت دنیا کی لذات سے تب پیدا ہوتی ہے جب تقویٰ ساتھ ہو۔ جو تقویٰ کو چھوڑ دیتا ہے اور حلال و حرام کی قید کو اُٹھا دیتا ہے وہ تو اپنے مقام سے نیچے گر جاتا ہے اور حیوانی درجہ میں آجاتا ہے۔

لنڈن میں جب ہائیڈ پارک میں حیوانوں کی طرح بدکاریاں ہوتی ہیں اور کوئی شرم وحیا ایک دوسرے سے نہیں کیا جاتا تو پھر ایک شخص انسانیت کو ضبط رکھ کر دیکھے تو ایسی بہشت اور راحت سے ہزار توبہ کرے گا کہ ایسی دیوث اور بے غیرت جماعت سے خدا بچائے۔ ایسی جماعت جو ایسی زندگی بسر کرتی ہے بہشت میں سمجھنا حماقت ہے۔ اصل یہی ہے کہ بہشت کی کلید تقویٰ ہے۔" (الحکم ۲۴ر اگست ۱۹۰۲ء)

اِسی طرح ایک اَور موقع پر مغربی تہذیب کی تباہ کاریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضورؑ نے اس کے نتیجہ میں رونما ہونے والے فساد کی اصل جڑ کی بھی نشان دہی فرمائی۔ چنانچہ فرمایا:۔

"پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کفارہ کا مسئلہ ماننے والوں نے پاک باطنی کی عملی نظیریں کیا قائم کی ہیں؟۔ یورپ کی بداعمالیاں سب کو معلوم ہیں۔ شراب جو اُمّ الخبائث ہے اُس کی یورپ میں اس قدر کثرت ہے کہ اس کی نظیر کسی دوسرے ملک میں نہیں ملتی۔ مَیں نے کسی اخبار میں پڑھا تھا کہ اگر لنڈن کی شراب کی دکانوں کو ایک لائن میں رکھا جائے تو پچھتر میل تک چلی جاویں جس حالت میں ان کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ہر ایک گناہ کی معافی کا سرٹیفکیٹ دیا گیا ہے اور جس قدر کوئی گناہ کرے معاف ہیں تو اب سوچ کہ ہم کو عیسائی جواب دیں کہ اِس کا اثر کیا پڑے گا......

اِس اصول (کفارہ) کا اثر در حقیقت بہت بُرا پڑا ہے۔ اگر یہ اصول نہ ہوتا تو یورپ کے ملکوں میں اِس کثرت سے فسق و فجور نہ ہوتا اور اِس طرح پر بدکاری کا سیلاب نہ آتا جیسے اب آیا ہوا ہے۔ لنڈن اور پیرس کے ہوٹلوں اور پارکوں میں جا کر دیکھو کیا ہو رہا ہے اور اُن لوگوں سے پوچھو جو وہاں سے آتے ہیں۔ آئے دن اخبارات میں اُن بچوں کی فہرستیں جن کی ولادت ناجائز ولادت ہوتی ہے شائع ہوتی ہیں۔" (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۱۷۶-۱۷۷)

کتنا مبنی بر حقیقت ہے یہ تجزیہ جو مغربی تہذیب کے نتیجہ میں رونما ہونے والے اخلاقی فساد کا حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آج سے ۶۰ سال قبل فرمایا اور اِس حال میں فرمایا کہ اہلِ مشرق کیا ہندو اور کیا مسلمان سب ہی اِس تہذیب اور اس کی مادّی ترقیوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے اور انہوں نے اسے اپنا قبلہ بنا رکھا تھا جس زمانہ میں آپ نے مغربی تہذیب کے بخیئے اُدھیڑے اُس وقت تک اسکے نتیجہ میں رونما ہونیوالا اخلاقی بگاڑ ابھی اپنی انتہا کو نہ پہنچا تھا اور ابھی ایسی صورتِ حال پیدا نہ ہوئی تھی کہ وہاں کا ذی فہم طبقہ سراسیمہ ہو کر اُسکے مہلک اثرات کے خلاف چیخ اُٹھا ہو۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا یہ انتباہ در اصل آنیوالے سیلاب بلاخیز کے حق میں ایک الارم کی حیثیت رکھتا تھا۔ آج اِس سیلابِ عظیم نے ہر طرف سے اُمڈ کر پورے مغرب کو ایک ہولناک صورتِ حال سے دوچار

کر دیا ہے اور وہ خود دہائی دے رہے ہیں کہ ہم اپنی بداعمالیوں کے باعث عذابِ الٰہی کے مستحق بن چکے ہیں اور ہمارا اسی طرح تباہ و برباد ہو جانا یقینی نظر آرہا ہے جس طرح حضرت لوط علیہ السلام کے زمانہ میں سدوم اور عمورہ کی بستیوں کے رہنے والے گندھک اور آگ کے عذاب کے نتیجہ میں صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دیئے گئے تھے۔ پھر حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ علیہ السلام نے مغرب کے اخلاقی بگاڑ کا محاکمہ ہی نہیں فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر نہایت زوردار الفاظ میں انہیں آنے والے ہولناک عذابوں سے بھی خبردار فرمایا آپ نے مشرق و مغرب میں بسنے والی تمام قوموں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"وہ دن نزدیک ہیں بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ دروازہ پر ہیں کہ دنیا ایک قیامت کا نظارہ دیکھے گی اور نہ صرف زلزلے بلکہ اور بھی ڈرانے والی آفتیں ظاہر ہونگی، کچھ آسمان سے اور کچھ زمین سے یہ اس لئے کہ نوعِ انسان نے اپنے خدا کی پرستش چھوڑ دی ہے اور تمام دل اور تمام ہمّت اور تمام خیالات سے دنیا پر ہی گر گئے ہیں۔ اگر میں نہ آیا ہوتا تو ان بلاؤں میں تاخیر ہو جاتی پر میرے آنے کے ساتھ خدا کے غضب کے وہ مخفی ارادے جو ایک بڑی مدت سے مخفی تھے ظاہر ہو گئے جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا .... اے یورپ (مراد مغربی ممالک) تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا (مراد مشرقی ممالک) تو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ وہ واحد یگانہ ایک مدت تک خاموش رہا اور اس کی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے اور وہ چپ رہا مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائیگا جس کے کان سننے کے ہوں وہ سنے کہ وہ وقت دور نہیں۔ میں نے کوشش کی کہ خدا کی امان کے نیچے سب کو جمع کروں پر ضرور تھا کہ تقدیر کے نوشتے پورے ہوتے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے۔ نوح کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائے گا اور لوط کی زمین کا واقعہ تم بچشم خود دیکھ لوگے۔ مگر خدا غضب میں دھیما ہے۔ توبہ کرو تا تم پر رحم کیا جائے۔ جو خدا کو چھوڑتا ہے وہ ایک کیڑا ہے نہ کہ آدمی اور جو اس سے نہیں ڈرتا وہ مردہ ہے نہ کہ زندہ۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۵۶ تا ۲۵۷)

اہلِ مغرب کے لئے معصیت کی متعفن دلدل سے نکلنے اور سلسلہ وار آنے والے پیہم عذابوں سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اسلام کی اخلاقی تعلیم کو اپنائیں تا خدا تعالیٰ جو غضب میں دھیما ہے ان پر رحم کرے۔ اس دلدل میں پھنسنے کے بعد اہلِ مغرب کی ایک بہت بڑی اکثریت کا عیسائیت کی غلیظ الرسن تعلیم پر سے ایمان اٹھ چکا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ اس تعلیم کے عملی اثرات سے بھی اپنے آپ کو بچائیں اور اسلام کی عافیت بخش آغوش میں آکر امان پانے والے خوش نصیبوں میں شامل ہوں۔ اس کے علاوہ امن و سلامتی اور روحانی آسودگی کی اور کوئی راہ نہیں ٭

بچوں کے صفحات

ہمارا خدا

(محترم جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی)

تم دیکھتے ہو یہ نیلا نیلا آسمان کیسا خوبصورت ہے! جہاں تک بھی نظر جاتی ہے دکھائی دیتا ہے۔ دن کو اس آسمان پر سورج چمکتا ہے جس سے دنیا میں روشنی پھیل جاتی ہے اور روشنی میں آدمی اپنا کام کرتے ہیں۔ سورج نہ ہو تو ساری دنیا میں اندھیرا چھا جائے۔ رات کو آسمان پر ننھے منّے تارے نکل آتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سینکڑوں ہزاروں چراغ ہوا میں لٹک رہے ہیں۔ جب چاند نکلتا ہے تو اُس کی ہلکی اور ٹھنڈی روشنی کتنی اچھی لگتی ہے! ان بادلوں کو دیکھو کیسے رنگ برنگ کے نیلے، اُودے، سفید، سرخ، ہوا میں اُڑتے پھرتے ہیں۔

یہ زمین جس پر ہم رہتے ہیں کتنی لمبی چوڑی ہے اسی زمین پر ہمارے مکان بنے ہوئے ہیں جن میں ہم رہتے ہیں۔ اسی زمین پر کھیتی باڑی ہوتی ہے جس سے اناج پیدا ہوتا ہے۔ اگر اناج نہ ہو تو ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ اسی پر ہرے بھرے باغ لگے ہوتے ہیں جن میں طرح طرح کے پھل ہوتے ہیں جنہیں ہم شوق سے کھاتے ہیں۔ کئی قسم کے پھول کھلتے ہیں جن میں بہت خوشبو ہوتی ہے۔ اسی زمین پر بڑے بڑے جنگل ہیں جن کی لکڑی ہزاروں کام آتی ہے۔ اسی زمین پر بہت سے اونچے اونچے پہاڑ کھڑے ہیں جن سے پتھر کٹ کر آتے ہیں۔ اسی زمین پر ہزاروں دریا بہتے ہیں جن میں کشتیاں چلتی ہیں جو لوگوں کو اس کنارے سے اُس کنارے تک لے جاتی ہیں۔

اسی زمین پر سمندر ہیں جہاں سینکڑوں میل تک سوائے پانی کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ ان سمندروں میں جہاز دوڑتے پھرتے ہیں جو ہزاروں آدمیوں کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچاتے ہیں اور لاکھوں روپے کا سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔ اسی زمین پر بہت سے ملک آباد ہیں جن میں ہزاروں شہر بسے ہوتے ہیں۔

اسی زمین پر ہم طرح طرح کے جانوروں کو بھی چلتا پھرتا دیکھتے ہیں۔ گھوڑا تانگے میں کام آتا ہے۔ گدھا بوجھ اٹھاتا ہے۔ خچر اسباب ڈھوتا ہے۔ بیل ہل چلاتا

ہے ۔ گائے دُودھ دیتی ہے ۔ بکری کا گوشت کھانے کے کام آتا ہے ۔ مرغی انڈے دیتی ہے ۔ کتّا گھر کی رکھوالی کرتا ہے ۔ بلّی چوہے پکڑتی ہے ۔ جب تم چڑیا گھر جاتے ہو تو وہاں ہاتھی دیکھتے ہو ۔ اُس کی سونڈ کتنی لمبی ہوتی ہے ۔ اس کے دانت کیسے چمکتے ہیں ۔ شیر کی آواز کتنی ڈراؤنی ہوتی ہے ۔ ریچھ کے بدن پر کیسے لمبے لمبے بال ہوتے ہیں ۔ طرح طرح کے سانپ کیسے زہریلے ہوتے ہیں ۔ بندر کیسا چالاک ہوتا ہے ۔ مچھلیاں تالاب میں بڑی کیسی پیاری لگتی ہیں ۔ بطخیں پانی میں تیرتی کیسی بھلی معلوم ہوتی ہیں ۔ طوطے میاں مٹھو کہتے ہوئے کیسے اچھے لگتے ہیں ۔ پھر زمین کے اندر، سمندر کے نیچے، اور پہاڑوں کے اوپر ہزاروں لاکھوں جانور رہتے ہیں ۔ کچھ ایسے چھوٹے کہ آنکھ سے دکھائی بھی نہ دیں ۔ بعض اتنے بڑے کہ پورے آدمی کو نگل جائیں ۔

جن جن چیزوں کے نام تم نے اوپر پڑھے ہیں یہ آپ سے آپ نہیں بن گئیں ۔ جس نے ان کو بنایا ہے وہی **ہمارا خدا** ہے ۔

(ایمان کی باتیں)

خدا کی نصرت کن کو ملتی ہے

(سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو

وہی اُس کے مقرّب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں
نہیں راہ اس کی عالی بارگہ تک خود پسندوں کو

یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اُس سے قربت کو
اُسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جلاؤ سب کمندوں کو

(دُرِّ ثمین)

اطمینان کامل کے لئے ایمان کامل ضروری ہے

اللہ تعالیٰ پر سچا اور کامل ایمان حاصل کرو

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ و السلام فرماتے ھیں :-

''یقیناً سمجھو کہ ھر ایک پاکبازی اور نیکی کی اصلی جڑ خدا تعالیٰ پر ایمان لانا ھے - جس قدر انسان کا ایمان باللہ کمزور ھوتا ھے اسی قدر اعمال صالحہ میں کمزوری اور سستی پائی جاتی ھے - لیکن جب ایمان قوی ھو اور اللہ تعالیٰ کو اس کی تمام صفات کاملہ کے ساتھ یقین کر لیا جائے اسی قدر عجیب رنگ کی تبدیلی انسان کے اعمال میں پیدا ھو جاتی ھے - خدا تعالیٰ پر ایمان رکھنے والا گناہ پر قادر نہیں ھوسکتا کیونکہ یہ ایمان اس کی نفسانی قوتوں اور گناہ کے اعضا کو کاٹ دیتا ھے - دیکھو اگر کسی کی آنکھیں نکال دی جائیں تو پھر وہ آنکھوں سے بدنظری کیونکر کر سکتا ھے اور آنکھوں کا گناہ کیسے کرے گا - اور اگر ایسا ھی ھاتھ کاٹ دئے جائیں پھر وہ گناہ جو ان اعضا سے متعلق ھیں کیسے کر سکتا ھے - ٹھیک اسی طرح پر جب ایک انسان نفس مطمئنہ کی حالت میں ھوتا ھے تو نفس مطمئنہ اسے اندھا کر دیتا ھے اور اس کی آنکھوں میں گناہ کی قوت نہیں رھتی - وہ دیکھتا ھے پر نہیں دیکھتا کیونکہ آنکھوں کے گناہ کی نظر سلب ھو جاتی ھے - وہ کان رکھتا ھے مگر بہرہ ھوتا ھے اور جو باتیں گناہ کی ھیں نہیں سن سکتا - اس طرح پر اسکی تمام نفسانی اور شہوانی قوتیں اور اندرونی اعضاء کاٹ دئے جاتے ھیں - اس کی ساری طاقتوں پر جن سے گناہ صادر ھو سکتا تھا ایک موت واقع ھوجاتی ھے اور وہ بالکل ایک میت کی طرح ھوتا ھے - وہ خداتعالیٰ ھی کی مرضی کے تابع ھوتا ھے اور وہ اس کے سوا ایک قدم نہیں اٹھا سکتا - یہ وہ حالت ھوتی ھے جب خدا تعالیٰ پر سچا ایمان ھو اور جس کا نتیجہ یہ ھوتا ھے کہ کامل اطمینان اسے دیا جاتا - یہی وہ مقام ھے جو انسان کا اصل مقصود ھونا چاھئیے اور ھماری جماعت کو اس کی ضرورت ھے - کیونکہ اطمینان کامل حاصل کرنے کے واسطے ایمان کامل ضروری ھے - پس ھماری جماعت کا پہلا فرض یہ ھے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان حاصل کریں - ،،

(الحکم ۱۰ جنوری ۱۹۰۴ء)

ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس گولبازار ربوہ میں طبع ھؤا